دروازہ

کرشن چندر



دروازہ

کرشن چندر

اُردو اکیڈمی لاہور

بار چہارم

قیمت عہ

صلاح الدین احمد کے نام

پیش لفظ

میرے ڈراموں کا یہ پہلا مجموعہ ہے۔ ان میں سے اکثر ڈرامے آل انڈیا ریڈیو سے متعدد بار براڈکاسٹ ہو چکے ہیں۔ کالجوں کے شوقیہ سٹیج پر کھیلے جا چکے ہیں۔ اور ملک کے مختلف رسائل میں مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

"حجامت" کے سوا اس مجموعے کے سب ڈرامے طبع زاد ہیں۔ "حجامت" کا پلاٹ اور ایک حد تک مکالمہ بھی آند ریف کی ایک نقل سے لیا گیا ہے۔ جس کے لئے میں اس عظیم المرتبت روسی مصنف کا شکرگزار ہوں۔ کیونکہ جس گہری، واقعاتی طنز کا مظاہرہ اُس نے اپنے ڈرامے میں کیا ہے۔ وہ ہمارے ملک کے ماحول پر بھی پوری طرح منطبق ہو جاتی ہے۔

کرشن چندر

قاہرہ کی ایک شام

قاہرہ کی ایک شام

پہلی بار　　　　دہلی، یکم مارچ ۱۹۴۱ء

افرادِ ڈرامہ اور ادا کار

حسینہ　　　　تمیزہ خاتون

پری　　　　شمشاد مسرت

صوبے دار　　　　تاج محمد

ریواز　　　　ایس، ایس، ایس شنکر

دکاندار، مدراسی ویٹر، سپاہی اور نوکر

موسیقی　　　　محمد حسین

صدابندی　　　　ایم اے رزاق

زمانۂ حال

منظر اوّل

قاہرہ میں انگریزی دوا فروشوں کے بازار کا ایک حصہ۔ مرکز میں تین دکانیں پوری اور دائیں بائیں دونوں طرف دو دو دکانیں آدھی یا ایک چوتھائی نظر آتی ہیں۔ بازار میں رونق نہیں۔ دکانوں پر گاہک ہیں۔ لیکن تعداد میں بہت کم۔ دکانوں پر جو بورڈ آویزاں ہیں اُن پر انگریزی، فرنچ اور ولندیزی نام لکھے ہوئے ہیں۔ پردہ اُٹھتا ہے تو اس کے پندرہ بیس سیکنڈ بعد حسینہ بائیں طرف سے داخل ہوتی ہے اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی مرکز کی دکان پر جا کھڑی ہوتی ہے۔ میانہ قد، پتلی چھریری، بال پریشان، آواز میں لرزش۔

حسینہ۔ مجھے "KERONOL" کی تین ٹکیاں چاہئیں۔

دکاندار نمبر ۱۔ بہت اچھا مادام۔ اے۔ ڈاکٹر کا نسخہ کہاں ہے؟

حسینہ۔ تین ٹکیوں کے لئے ڈاکٹر کا نسخہ۔

نمبر ۱۔ اے۔ نہیں نہیں مادام (ہنستا ہے) تین ٹکیوں سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ تین ٹکیوں سے کتے کا ایک پلا بھی نہیں مر سکتا۔ یہ لیجئے۔

حسینہ پڑیا لے کر نقدی نکالنے کے لئے اپنا بٹوا کھولتی ہے۔ بائیں طرف سے

سے ایک وجیہہ ہندوستانی سپاہی داخل ہوتا ہے۔ بازو اور کندھے کے فوجی نشان ظاہر کرتے ہیں کہ ہندوستانی فوج میں صوبے دار ہے۔ اُسی دکان پہ آکھڑا ہوتا ہے جہاں حسینہ ہے۔

صوبے دار۔ تین ٹکیاں اسپرین کی دیجئے۔

نمبر ا۔ بہت اچھا حضور۔

صوبے دار۔ جلدی۔

نمبر ا۔ لیجئے۔

حسینہ جلدی سے دام کونٹر پر پھینک کر بائیں طرف مُڑ جاتی ہے اور آخری دکان پر جا کھڑی ہوتی ہے۔ صوبیدار کی نگاہیں حسینہ پہ جمی ہوئی ہیں۔ اسپرین کی ٹکیاں جیب میں ڈال کر وہ بھی اسی دکان پر جا پہنچتا ہے۔ جہاں حسینہ کھڑی ہے۔

حسینہ۔ مجھے KERONOL کی تین ٹکیاں دیجئے

دکاندار نمبر ۲۔ ابھی لیجئے خاتون مگر ڈاکٹر کا نسخہ؟

حسینہ۔ تین ٹکیوں کے لئے ڈاکٹر کا نسخہ۔ تین ٹکیوں سے تو ایک پلّا بھی نہیں مر سکتا۔

دکاندار نمبر ۲۔ ہاہا۔ آپ سچ کہہ رہی ہیں مادام۔ یہ لیجئے تین ٹکیاں KERONOL

صوبے دار۔ تین ٹکیاں اسپرین دیجئے۔ فوراً۔

دکان دار نمبر ۲۔ ابھی لیجئے حضور ——————— ایک سنٹ۔

صوبیدار نقدی نکالتا ہے حسینہ جلدی سے دائیں طرف مڑ جاتی ہے اور آخری دکان پر جو صرف آدھی نظر آرہی ہے پہنچ کر رُک جاتی ہے۔ ایک دو لمحوں کے لئے سوچتی ہے۔ پھر کونٹر پر جاکر وہی سوال دہراتی ہے صوبیدار جیبوں میں ہاتھ ڈالے آہستہ آہستہ اسی دکان پہ آکھڑا ہوتا ہے۔

حسینہ۔ کیا آپ کے پاس KERONOL کی ٹکیاں موجود ہیں۔

دکان دار نمبر ۳۔ مادام۔ کیا آپ کے پاس ڈاکٹر کا نسخہ ہے؟ یہ زہر ہے مادام!

حسینہ۔ مجھے صرف تین ٹکیاں چاہئیں۔ اور جناب تین ٹکیوں سے تو ایک بلا بھی نہیں مر سکتا۔

دکاندار نمبر ۳۔ ہاہا بجا فرمایا۔ (وقفہ) یہ لیجئے تین ٹکیاں ۵ سنٹ

صوبیدار۔ مجھے تین ٹکیاں اسپرین کی دے دیجئے۔

دکاندار نمبر ۳۔ ا سنٹ

صوبیدار۔ ٹھیک ہے۔

(پردہ)

منظر دوم

پس منظر میں سمندر کی لہریں، سورج غروب ہو رہا ہے۔ قریب منظر میں ساحل کی ریت جو سمندر کی لہروں سے جا ملتی ہے۔ دائیں طرف سے حسینہ داخل ہوتی ہے اس کے پیچھے پیچھے صوبے دار چلا آرہا ہے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سیٹی بجاتا ہوا چلا آرہا ہے۔ بائیں طرف جاتے ہوئے حسینہ رک جاتی ہے اور صوبے دار کی طرف مڑتی ہے سارا انداز میں غصہ ہے۔ اور اضطراب۔ صوبے دار سیٹی بجانا بند کر دیتا ہے۔ حسینہ کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے۔ اور جیبوں سے ہاتھ نکال کر اپنی انگلیوں پر گنتا ہے۔

صوبیدار۔ تین اور تین چھ اور تین نو۔

حسینہ۔ آپ کون ہیں، آپ کیوں میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ شریف آدمی اس طرح عورتوں کا پیچھا نہیں کرتے۔

صوبیدار۔ تین اور تین چھ اور تین نو۔

حسینہ۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

صوبیدار۔ تین اور تین چھ اور تین نو۔ آپ کی جیب میں اس وقت کیرونل کی نو ٹکیاں ہیں۔ ان ٹکیوں سے ایک پلا بے شک نہ مر سکتا ہو۔ لیکن انہیں کھا کر ایک خوب صورت خاتون ضرور جان دے سکتی ہے۔

حسینہ۔ آپ کا مطلب؟

صوبیدار۔ زندگی خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے اسے صرف راہِ حق میں گنوانا چاہئے۔ خودکشی گناہ ہے اور آپ جوان ہیں۔ اور خوبصورت اور جب آپ کانے ہیں سے اکیلی نکلیں تو میں آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا میں نے دیکھا آپ غمگین اور اداس ہیں آپ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہیں اور آپ نے کیمسٹ کی دکان سے کیرونل کی تین ٹکیاں خرید کر جیب میں رکھ لیں۔ دوسرے کیمسٹ کی دکان سے تین اور ۔ ۔ ۔ ۔

حسینہ۔ راستہ چھوڑیئے۔ آپ کو اس طرح میرا راستہ روکنے کا کوئی حق نہیں۔

صوبیدار۔ حق ہے میں ہندوستانی ہوں۔ آپ بھی ہندوستانی ہیں۔ ہم دونوں ہم وطن ہیں۔ اور دونوں وطن سے دور ——

حسینہ۔ وطن سے دُور —— (سسکیاں لیتی ہے)

صوبیدار۔ آپ روئیے نہیں۔ آپ روئیے نہیں۔ مجھے بتلایئے تو

سہی کیا بات ہے آپ کہاں رہتی ہیں؟

حسینہ۔ گرانڈ کافے میں۔

صوبیدار۔ گرانڈ کافے میں ــــ آپ ــــ آپ .....

حسینہ۔ میں وہاں ایک رقاصہ ہوں۔ میرا نام حسینہ ہے۔

صوبیدار۔ روئیے نہیں۔ روئیے نہیں۔ آپ کو روتے دیکھ کر مجھے دُکھ ہوتا ہے۔ کیا آپ وہاں اکیلی رہتی ہیں؟

حسینہ۔ نہیں میں ریواز کے ساتھ رہتی ہوں۔ وہ مجھے ناچ سکھاتا ہے۔ وہ میرا استاد ہے۔ میرا ہم رقص ہے۔ چند دن ہوئے میری اور اس کی لڑائی ہو گئی۔ اُس نے مجھے پیٹا۔ مجھے ــ مجھے ــ بیدوں سے مارا ــ یہ دیکھو ــ یہ دیکھو ــ یہ دیکھو ــ

صوبیدار۔ ظالم۔ وحشی۔ کمینہ۔

حسینہ۔ اس نے مجھے کئی بار پیٹا ہے۔ جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی ہے وہ شراب پیتا ہے اور پیچیدگی ہے۔ مجھے اس سے بے حد نفرت ہے عجیب قسم کا انسان ہے۔ مجھے ایسے مردوں سے نفرت ہے مجھے سب مردوں سے نفرت ہے۔ سبھی مرد عورتوں کو کھلونا سمجھتے ہیں۔ نہیں کھلونا جان کر ان سے کھیلتے ہیں۔ ان سے پیار کرتے ہیں، انہیں ہاتھوں میں اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں اور جب غصہ آجائے تو انہیں فرش پر پھینک کر ٹکڑے

ٹکڑے کر ڈالتے ہیں۔ عورت کی زندگی سلولائیڈ کے بنے ہوئے کھلونے سے بدتر ہے۔ کیونکہ عورت میں روح ہوتی ہے۔ ہوتی ہے نا ——

صوبے دار۔ ضرور ہوتی ہے (ہنس کر) لیکن آپ نے تو کیرونل کی نوٹکیاں خرید لی ہیں۔ ان سے کیا آپ اپنی روح کو آزاد۔ اور اپنی ہستی کو الگ رکھنا چاہتی تھیں۔

حسینہ۔ میں ان سے خودکشی کرنا چاہتی ہوں۔ یہ سچ ہے لیکن اس کا کیا علاج ہے۔ مجھے ریواز ہی نے رقص سکھایا ہے۔ اس نے ہی مجھے پالا ہے۔ تعلیم دی ہے۔ میں اس دنیا میں اکیلی تھی۔ مجھے معلوم نہیں میرے ماں باپ کون تھے۔ جب آنکھ کھلی تو بھک منگوں کے ٹولے میں تھی۔ شمالی ہند کے کئی بڑے بڑے شہروں میں بھیک مانگ چکی ہوں۔ اب بھی کیا حالت اچھی ہے۔ ہماری ساری زندگی ہی بھیک مانگتے گزر جاتی ہے۔ وہ شراب پیتا ہے۔ مجھے بیدوں سے مارتا ہے۔ مجھے کہیں آنے جانے نہیں دیتا۔ کئی بار اس نے دست درازی کی کوشش بھی کی ہے

صوبے دار۔ تو اس معمولی سی بات کے لئے آپ جان دینے پر آمادہ ہو گئیں آپ بھی کیا بچوں کی سی باتیں کرتی ہیں۔ میرے خیال میں اس کا علاج

تو یہ ہے کہ آپ ریواز سے الگ ہو جائیں۔ اور کسی اور کالج میں ملازمت
کرلیں۔ آپ ناچنا جانتی ہی ہیں۔ اور ——

حسینہ۔ ٹھیک ہے۔ خوبصورت ہوں۔ نوجوان ہوں۔ خوش ادا ہوں۔ غالباً
اسی لئے آپ میرا راستہ روکے کھڑے ہیں۔ لیکن میں اپنی عصمت بیچ
کر روٹی کمانا نہیں چاہتی۔ ایک بار سیدھا راستہ دیکھ کر دوبارہ اُس
گندی گھناؤنی مسموم دلدل میں نہیں پھنسنا چاہتی۔ لیکن کیا اس مردوں
کی دنیا میں عورت کی کوئی سُنتا ہے۔ کوئی اس کی پرواکرتا ہے۔ سبھی اُس
کے حسن کے پیاسے ہیں۔ اس کا اپنا کوئی بھی نہیں۔ مجھے آج ریواز سے
الگ ہوئے پانچ دن ہو چکے ہیں۔ میں درجنوں کافی خانوں میں گھوم
چکی ہوں۔ کہیں کوئی ملازمت نہیں دیتا۔ باعزت ملازمت بڈھے
بوڑھے۔ گنجے سروں والے مالک مجھے گھورتے ہیں۔ مسکراتے ہیں
گنگناتے ہیں۔ ایسی ایسی شرطیں پیش کرتے ہیں کہ جی چاہتا ہے جوتی اُتار
کر چندیا پلپلی کر دوں۔ لیکن عورت کیا کر سکتی ہے۔ عورت کر ہی کیا
سکتی ہے۔ رونے کے سوا۔ مرنے کے سوا اور کیا کر سکتی ہے؟
میری جیب میں جو پیسے تھے وہ تو کل نے میں ختم ہو گئے۔ باقی یہ رہا ہے
تو کیوں دل کی ٹکیاں (سسکیاں لیتی ہے)

صوبیدار۔ ہم۔ (وقفہ) کیا قاہرہ میں ریواز کے سوا تمہارا اور کوئی واقف نہیں۔

حسینہ۔ واقف تو کئی ہوں گے۔ کون خوب صورت عورت کا واقف بننا نہیں چاہتا۔

صوبیدار۔ اے میرا مطلب یہ نہ تھا۔ بخدا۔ میرا مطلب یہ نہ تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا۔ کہ ——— کہ ———

حسینہ۔ میں تمہارا مطلب سمجھ گئی۔ ایک اور رقاصہ ہے۔ پری اس کا نام ہے۔ بڑی مشکل سے گزر کرتی ہے۔ بے چاری۔ میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتی۔ لیکن تم کون ہو جس سے میں ایسی باتیں کر رہی ہوں۔ ہٹو ——— مجھے جانے دو۔ ہٹ جاؤ۔

صوبیدار۔ دیکھئے۔ دیکھئے۔ حسینہ! میری بات سنو۔ ٹھہر جاؤ۔ خدا کی قسم تم یہ بات ہرگز نہیں کر سکتیں۔ میں کبھی ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ دیکھو دیکھو یہ تھوڑی سی نقدی ہے۔ میرے پاس اس وقت یہی کچھ ہے۔ میں تمہارا ہم وطن ہوں۔ مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ یہ تو سونے کی انگوٹھی ہے۔ ہندوستان سے چلتے وقت میری ماں نے مجھے اپنے ہاتھوں سے پہنائی تھی۔ میں یہ مقدس نشانی تمہیں سونپتا ہوں۔ اپنی عصمت و عفت کو بچانے

کے لئے اگر تمہیں اس انگوٹھی کو بھی بیچنا پڑے تو مطلق دریغ نہ کرنا۔
اب تم سیدھی اپنی سہیلی پری کے پاس چلی جاؤ۔ نہیں ٹھیرو۔ وہ کیرونل کی ٹکیاں مجھے دے دو۔ شاباش۔ زندگی سے گھبرانا نہیں چاہیئے زندگی میں بہت سے دشمنوں سے جنگ کرنا پڑتی ہے۔ ہم بھی دشمنوں سے جنگ کر رہے ہیں۔ دل جمعی کے ساتھ خودکشی بزدلی کا نام ہے۔ ٹھہرو ٹھہرو میں تمہیں خود تمہاری سہیلی کے گھر پہنچا آتا ہوں۔

(پردہ)

منظر سوم

ایک زنانہ کمرہ، پلنگ، کرسیوں اور پردوں سے نمایاں ہے۔ مرکز سے دائیں طرف ایک بڑی سی کھڑکی ہے۔ اور بائیں طرف ایک بند دروازہ، پری ایک مونڈھے پر نیم دراز حالت میں پڑی ہے۔ ایک چھوٹی سی تپائی پر انگریزی شراب کی بوتل پڑی ہے، بوتل خالی ہے اور کٹ گلاس کا پیمانہ اوندھا پڑا ہے۔ یعنی پری کی طرح نیم دراز حالت میں پری کی آنکھیں غلافی ہیں۔ جسم گداز اور لباس نیم مغربی، پری کے جسم اور اس کی بات چیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے زندگی بہت دیکھی ہے۔ ضرورت سے زیادہ۔

(دروازہ پر دستک)

پری۔ کون ہے؟

حسینہ۔ (باہر سے) حسینہ۔

(دروازہ کھلتا ہے۔ حسینہ ہولے ہولے قدموں سے اندر داخل ہوتی ہے)

پری۔ اندر آجاؤ حسینہ۔ کہاں رہیں تم اتنے دن (وقفہ) یہ نئی انگوٹھی خریدی ہے۔

حسینہ۔ انگوٹھی تو پرانی ہے۔ لیکن میرے لئے نئی ہے۔

پری۔ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتی ہو۔ خیر تو ہے۔ ریواز کا کیا حال ہے؟

حسینہ۔ مجھے ریواز سے ملے آج پانچ دن ہو گئے۔

پری۔ پانچ دن۔ ریواز۔ تم کیا کہہ رہی ہو؟

حسینہ۔ کہہ تو رہی ہوں کہ مجھے ریواز سے ملے پانچ دن ہو گئے ہیں۔ ایک دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔

پری۔ ادھر آؤ میرے قریب بیٹھو۔ تمہاری آنکھوں میں آنسو ابھی تک خشک نہیں ہوئے۔ کیا ریواز نے تمہیں پھر مارا ہے؟

حسینہ۔ نہیں نہیں پری۔ میں آج ——— میں آج بہت خوش ہوں۔ میں نے آج ایک ایسے انسان کو دیکھا ہے جس میں روح تھی۔

پری۔ روح تو سب میں ہوتی ہے۔ لیکن خیر۔ تم تو ہمیشہ عجیب عجیب باتیں کیا کرتی ہو۔ یہ بتاؤ کہ ان پانچ دنوں میں تم کہاں کہاں گھومیں۔ بڑی وہ ہو تم۔ میرے پاس کیوں نہ آگئیں۔

حسینہ۔ اب جو آگئی ہوں۔ کچھ نہ پوچھو پری مجھ پر کیا بیتی ہے! ریواز سے لڑ کر

جب میں کلکتے سے باہر نکلی تو میری جیب میں گنتی کے چند سکے تھے۔
ان دنوں اُن پر گزر ہوتی رہی۔ ایک گندے سے ہوٹل میں ٹھہری رہی
اِدھر اُدھر ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ آج میری جیب
میں بس زہر کھانے کو پیسے باقی رہ گئے تھے۔

پری۔ پھر تم نے کیا کیا؟

حسینہ۔ میں نے ان پیسوں کا زہر خرید لیا۔

پری۔ ہائے تم بہت بُری ہو حسینہ۔ بھلا کبھی اتنی سی بات پر جان دی جاتی ہے۔
باؤلی ہوئی ہو۔

حسینہ۔ ضرور مر جاتی۔ اگر مجھے راستہ میں ایک صوبے دار نہ مل گیا ہوتا۔

پری۔ یہ صوبے دار کون تھے؟

حسینہ۔ یہ تو میں نہیں جانتی ہندوستانی فوج جو یہاں دشمنوں سے لڑنے کے
لئے آئی ہے اس میں ہوگا۔ لیکن پری۔ یہ میں نے پہلا آدمی دیکھا ہے جس
میں روح تھی۔ اس نے میری جیب سکوں سے بھر دی۔ میری انگلی میں یہ
سونے کی انگوٹھی پہنا دی اور مجھے خود تمہارے دروازے تک چھوڑ گیا۔

پری۔ تم اُسے اندر آنے کو کہتیں میں اُسے دیکھ لیتی۔ بہت قبول صورت ہے کیا۔

حسینہ۔ ہاں ہاں۔ لیکن اس نے اندر آنے سے انکار کر دیا۔ کہتا تھا۔ پھر کبھی ملونگا۔

خداگواہ ہے۔ میں نے ایسا اچھا آدمی آج تک نہیں دیکھا کبھی نہیں دیکھا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے جس کا اس دنیا میں نہ کوئی بھائی ہے۔ نہ بہن۔ نہ ماں۔ نہ باپ۔ آج ایک دردمند دل مل گیا۔ پری مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں اب زمانے بھر کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کرسکوں گی۔ (دستک)

پری۔ کون ہے؟

ریواز۔ میں ہوں ریواز اوہ تم یہاں حسینہ پانچ دنوں سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔ پچھلے پانچ دنوں سے قاہرہ کی گلیوں اور بازاروں کی خاک چھانتا رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ تم یہاں ہو۔ یہ میری غلطی ہے۔ خیر بہت سی غلطیوں کی تم سے معافی مانگتا ہے۔ میں بیحد نادم ہوں۔ حسینہ خداگواہ ہے کہ میں بے حد نادم ہوں۔ مجھے معاف کردو۔ صرف یہ جان کر کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

حسینہ۔ تم اپنے آپ کو کبھی نہیں بدل سکتے ریواز۔ ان باتوں سے اب کیا فائدہ۔ میں اب کوئی اور جگہ تلاش کرلوں گی۔ تم کوئی اور ہم رقص ڈھونڈ لو۔

ریواز۔ ہم رقص تو بہت سی مل جائیں گی۔ لیکن میں تو صرف تمہیں چاہتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے سوا اب میں کسی اور کے ساتھ رقص ہی نہیں کرسکتا

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اب تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھا ہے۔ میں بے حد شرمسار ہوں تمہارے سامنے اب میں کبھی شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔

حسینہ:۔ ریواز تم کبھی نہیں بدل سکتے۔

ریواز:۔ میں بدل کر دکھاؤں گا۔ مجھے تم سے محبت ہے مگر میں اب تم سے کسی قسم کا تعرض نہ کروں گا۔ تمہیں پوری آزادی ہوگی۔ جہاں مرضی جاؤ۔ گھومو، کھیلو۔ دوسرے لوگوں سے ملو جس سے جی چاہے ملو حسینہ ایک ملکہ ہوگی اور میں ایک حقیر درباری۔ جسے تمہارے ساتھ صرف رقص کرنے کا شرف حاصل ہوگا۔ بولو تم نے معاف کر دیا۔ اسکندریہ کے ایک کافے کے ساتھ بہت اچھا معاہدہ ہونے والا ہے۔ وہ تین سو روپیہ روز دیں گے۔ تین سو روپیہ روز۔ ذرا خیال تو کرو حسینہ ان تین سو روپیوں میں ہم کیا کچھ نہیں کر سکتے۔ اور پھر تمہیں پوری آزادی ہوگی۔ ماں جاؤ حسینہ بری تم ہی اس سے کہو کہ بدبخت ریواز کو معاف کر دے۔ میں نے اسے خود تعلیم دی ہے۔ اسے تتلی کی طرح تھرکنا سکھایا ہے۔ میری زندگی کی ساری امنگیں اور آرزوئیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں میں اس کی ہر خواہش کو پورا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

پیری: پچھلی باتوں کو جانے دو حسینہ۔ ریواز اس وقت تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہے۔

حسینہ۔ اس وقت۔

دیواز۔ نہیں۔ ہر وقت۔ میں کڑی سے کڑی قسم کھانے کو تیار ہوں۔ تمہاری آنکھوں کے نیچے گڑھے پڑ گئے ہیں حسینہ۔ اسکندریہ کی آب وہوا تمہارے حسن کو تازگی بخشے گی۔ اور پھر تین سو روپے یومیہ۔ بولو ہم آج رات ہی کو اسکندریہ روانہ ہو جائیں گے۔

حسینہ۔ بہت اچھا۔ یونہی سہی۔ لیکن تمہارے لئے یہ آخری موقعہ ہے۔

(پردہ)

منظر چہارم

ریواز کا کمرہ، یہ ریواز کے سونے کا کمرہ ہے، اور اُس کے اُٹھنے بیٹھنے کا بھی، اسی کمرے میں وہ شراب پیتا ہے، اور اسی کمرے میں وہ حسینہ کو رنگ اور رقص سکھاتا ہے طبلہ سارنگی، وائلن، شراب کی بوتلیں، پیمانے، بستر اور سرہانے پر ایک ننگی عورت کی تصویر، کمرے سے بائیں جانب ایک دروازہ۔ اندر سٹیج کی طرف ایک اور کمرے میں کھلتا ہے یہ حسینہ کا کمرہ ہے، سامنے صرف سنگھار کا میز نظر آ رہا ہے جس کے سامنے حسینہ بیٹھی بال سنوار رہی ہے۔ رہ رہ کر اُس کے ٹخنوں پر بندھے ہوئے خلخال ایک میٹھی سی گونج پیدا کر دیتے ہیں۔ ریواز شراب پی رہا ہے۔ اور گنگنا رہا ہے۔ بائیں جانب سٹیج کے آخر میں ایک اور دروازہ آدھا دکھائی دے رہا ہے۔

ریواز۔ (گنگناتے ہوئے) اُس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور (شراب انڈیلتا ہے) "ساقی نے بنا کی روش لطف و کرم اور" (پیتا ہے) آہ زندہ رہنے کے لئے اس دور میں شراب ہونی چاہئے۔ ایسی شراب جس کی تندی اور تلخی کے سامنے زندگی کے کڑوے گھونٹ شیریں معلوم ہوں۔ شیریں۔ جیسے حسینہ کے شہد آگیں ہونٹ۔ عورت بھی ایک طرح کی شراب ہے۔ ہی ہی ہی۔ شراب اور عورت۔ عورت اور شراب۔ اور حسینہ۔ ایں۔ ایں۔ ابھی تک تیار نہیں

ہو ہی گیا۔

(بلند آواز میں) حسینہ ڈارلنگ۔

حسینہ۔ (دور سے) آئی۔

ریواز (گنگناتا ہے) ساقی نے بنا کی روش لطف و کرم اور

اور اب نہ وہ ساقی ہے۔ نہ لطف ہے نہ کرم ہے۔ ریواز بیٹا۔ اب تو یہی زندگی ہے۔ ایں ——— سُنا ——— کافی خانوں میں ناچو۔ بیوقوف سیاحوں کو اور بھی بے وقوف بناؤ۔ اس آفندی کی تعظیم کرو۔ اس آفندی کو آداب بجالاؤ۔

نوکر۔ (آدھے کھلے دروازے سے اندر آ کر) حضور۔ آفندی کہہ رہے ہیں کہ مس حسینہ کے ناچ کا وقت ہو گیا۔

ریواز۔ ایں۔ ہاں ہاں۔ آفندی کو ہماری طرف سے آداب کہو۔ حسینہ ابھی حاضر ہوتی ہے۔ میک اپ کر رہی ہے۔ حسینہ ڈارلنگ ———

حسینہ۔ آئی۔ میرا لباس کیسا ہے؟

ریواز بہت حسین۔ اس سیاہ لباس میں تو تم تاروں بھری رات کی طرح حسین نظر آرہی ہو۔ تمہاری روشن جبیں پر یہ جو دودھیا موتیوں کی افشاں چنی ہوئی ہے اس راستے میں کئی غریب راہی بھٹک جائیں گے لیکن بھٹکنا ہی تو زندگی

ہے۔ ذرا سوچو تو ہم کہاں سے کہاں آن پہنچے۔ (صراحی انڈیلتا ہے)

حسینہ۔ او مست پیو۔ رات کی رانی کے ناچ میں تمہیں میرے ساتھ رقص کرنا ہے۔

دیوانہ۔ رقص اور شراب بھولی لڑکی۔ یہ دونوں شعلے ساتھ ساتھ لپکتے ہیں۔ رقص اور شراب۔ اگر میں شراب نہ پیتا تو آج اتنا اچھا رقاص نہیں بن سکتا۔

حسینہ۔ اگر تم شراب نہ پیتے تو آج وطن سے دُور دُور کی ٹھوکریں کیوں کھاتے پھرتے۔ ہندوستان کا وہ کون سا تھیٹر ہے جہاں سے تم نکالے نہیں گئے۔ جہاں تم عین رقص کے عالم میں اوندھے منہ چکرا کر نہ گر پڑے ہو۔ اس کافی خانے میں بھی ایک دن یہی حال ہو گا۔

دیوانہ۔ جب ہو گا دیکھا جائے گا (درشتی کے لہجے میں) اور دیکھو میں تم سے پیار کرتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہاری ہر بات مان لوں گا آخر تم مجھے کیا کہہ سکتی ہو۔ میں نے تمہیں بنایا ہے۔ میں شرابی سہی لیکن تمہیں رقاصہ کس نے بنایا ہے کس نے تمہاری تخلیق کی ہے۔ تم ایک بھک منگے کی لڑکی تھیں۔ خوبصورت مانا۔ لیکن تمہارے ہاتھوں میں یہ ناگن کی سی رعنائی کس نے پیدا کی۔ کس نے تمہارے ٹخنوں پر بجتی ہوئی پائل میں سنگیت کی لرزتی ہوئی روح پیدا کی۔ تمہارے جسم کے ذرّے ذرّے میں میری ہی رقص کی فنکاری ہے۔ میری ہی روح کا پرتو ہے۔ میرے ہی دل کی

دھڑکن ہے۔ میں تم سے پیار کرتا ہوں حسینہ مجھے رقص سے محبت ہے مجھے قلقل کی آواز، اس سے بھی محبت ہے میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا میں اسے بھی نہیں چھوڑوں گا۔ زندگی۔ جانتی ہو، زندگی نام ہے بھٹکنے کا۔ زندگی بھی ایک عجیب رقص ہے رات کی رانی، آج تو تم سچ مچ رات کی رانی معلوم ہوتی ہو۔ اِدھر آؤ میرے قریب آؤ حسینہ
حسینہ ہٹو۔ چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو۔ مجھے۔ میں کہتی ہوں (چانٹا رسید کرتی ہے) مجھے تم سے نفرت ہے۔

نوکر۔ (آدھے کھلے دروازہ سے اندر آکر) آفندی کہہ رہے ہیں مس حسینہ کے ناچ کا وقت ہو گیا۔

حسینہ بھاگتی ہوئی آدھے کھلے دروازے سے چلی جاتی ہے۔ اور گھنگروؤں کی صدا دور ہوتی جاتی ہے۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد ریواز آہستہ آہستہ ہنستا ہے۔ اور ہنستے ہوئے اپنے پیمانے میں شراب انڈیلتا ہے۔

ریواز۔ (پیمانے کی طرف دیکھ کر) کہ چنچل ہے رات کی رانی۔ اور آسانی سے قابو میں نہیں آئے گی (قلقل کی آواز) کہ چنچل ہے رات کی رانی۔ اور آسانی سے قابو میں نہیں آئے گی لیکن آئے گی تو ضرور۔ ریواز ایک نہ ایک دن۔ دوپٹہ شب کا ڈھلکے گا ــــــــ دوپٹہ شب .....

ریواز کرسی سے لگ کر سو جاتا ہے۔ اور خراٹے لینے لگتا ہے، پیمانہ تپائی پر اوندھا پڑا ہے۔ اور سُرخ شراب فرش پہ پھیل گئی ہے۔ (پردہ)

منظر پنجم

ایک مصری کافے کا اندرونی منظر، پلیٹ فارم پر حسینہ گاتی ہے اور ناچتی ہے۔

(حسینہ ناچتی ہے)

گھونگھٹ میں گوری جلے۔

حسینہ گاتے ہوئے اور ناچتے ہوئے، پلیٹ فارم سے نیچے اتر کر کافے میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے قریب سے گزرتی ہے۔ اور للچائی ہوئی نظروں کو اپنے جسم کے خطوط دکھاتی جاتی ہے۔ میزوں اور کرسیوں کے بیچ میں سے گزرتی ہوئی وہ پھر واپس پلیٹ فارم پر آجاتی ہے۔

ایک آدمی۔ آفندی یہ ہندوستانی لڑکی تم نے دیکھی

دوسرا آدمی۔ چاند کا ٹکڑا ہے۔

پہلا۔ اس کا رقص دیکھ کر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا پہلے دن کا چاند نیل کے آب رواں پر ہلکورے لے رہا ہو۔

ایک پنجابی۔ اوہو ماسیاں دیکھ۔ اوئے ویکھ۔ ایہہ بچارہ امبرسر دیکھیا سی۔

ایک مدراسی ویٹر VeVy good Dance

Very Good My deal in Southern India Very good Dance my dear. Dont you Know Me I am VenKata Raghva Chariar I have been to Bristol, OXFOXd, Cambridge. Dont You Know Me, I am VenKata Raghva Chariar. Khansaman in this Caffee, Sir,

پانچواں آدمی۔ ویٹر (cold caffee) لاؤ ہم دونوں کے لئے

مدراسی ویٹر۔ سر Yes Sir -

پانچواں آدمی۔ صوبیدار۔ اس ناچ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

صوبے دار۔ ناچ تو اس سے بہتر بھی میں نے دیکھے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ لڑکی حسین ہے۔ میں ہر روز اس کانے میں آکر اس کا ناچ دیکھتا ہوں ہر روز یہی چیز ہوتی ہے۔ یہی ویٹر۔

پانچواں۔ (ہنس کر) اور یہی صوبے دار — ارے کیا کر رہے ہو۔

صوبے دار۔ گلدستہ پھینکنا چاہتا ہوں۔ اور ایک ملاقاتی کارڈ — دہ گیا۔

مدراسی ویٹر Yes Sir, Very good Dance sir
Venketa Ragh Vachariar.

پانچواں۔ مسکرا رہی ہے تمہاری طرف دیکھ کر۔

صوبے دار۔ یہی تو مصیبت ہے مسکرائے جاتی ہے اور ہمیں الّو بنائے جاتی ہے۔

پانچواں۔ بنائے جاتی ہے۔ گویا اس سے پہلے تم الّو نہیں تھے۔

مدراسی ویٹر۔ Ice old Coffee sir, Take it, Sir, I am-
Venketa Raghvachariaria, Sir, Thank
You, sir,

صوبے دار۔ او دیر کم بخت ابھی تک سر پر کھڑا ہے۔ بھاگو یہاں سے
کسی اور بیرز کو دیکھو۔

(پردہ)

منظر ششم

وہی ریواز کا کمرہ، بائیں طرف کے دوسرے دروازے پر زور زور سے دستک کی آواز آتی ہے۔ ریواز بھاگ جاتا ہے۔ اور دروازے کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر دستک ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ، پیاری سی دستک جیسے یہ دستک نہیں، ایک بوسہ ہے، ایک مختصر سا بوسہ۔

ریواز۔ اندر آجاؤ۔

حسینہ (جھومتی ہوئی آتی ہے)

ریواز۔ یہ دروازہ کھٹکھٹانے کی کیا ضرورت تھی۔

حسینہ۔ (بھولپن سے) مجھے آفندی نے بتایا ہے کہ یہ شریفوں کے آداب ہیں۔

ریواز۔ آفندی نے۔

حسینہ۔ اور آفندی نے مجھے یہ بتایا کہ میرا آج کا ناچ بہت ہی اچھا تھا۔ میں آج بہت ہی خوش ہوں (گنگناتی ہے)

(ہولے ہولے قدموں سے ناچتی ہے)

ریواز۔ اور یہ پیلے پیلے پھولوں کا گچھا بھی آفندی نے دیا ہے۔

حسینہ۔ نہیں تو ـــــــ یہ ـــــــ یہ

ریواز۔ رُک کیوں گئیں۔ بول۔ بول۔ یہ گلدستہ تجھے کس نے دیا ہے کمبخت لڑکی۔

حسینہ۔ چھوڑ دو میرا ہاتھ۔ ظالم۔ بدمعاش

ریواز۔ رقص تو تُو نے مجھ سے سیکھا ہے لیکن یہ شریفوں کے آداب تو نے کس سے سیکھے ہیں۔ یہ گلدستے میں بندھے نوٹ بھی کیا تجھے آفندی نے دیئے ہیں اور یہ ملاقاتی کارڈ۔

حسینہ۔ چھوڑ دو میرا ہاتھ۔

ریواز۔ صوبے دار ـــــــ

اچھا تو یہ ہیں وہ حضرت جو ہر رات کو کافے میں تمہارے ناچ کے وقت دکھائی دیتے ہیں سٹیج سے بائیں طرف چوتھی میز پر وہی ہیں نا صوبے دار صاحب۔ کیا پیغام بھیجا ہے۔ میں ڈیڑھ گھنٹے کے بعد جہاز پر ہوں گا DOCK پہ مجھے ملئے۔ خدا جانے پھر کب ملاقات ہو۔ تمہارا صوبیدار۔ اچھا تو یہ ہے تمہارا عاشق۔

حسینہ۔ بکومت۔ میرا ہاتھ چھوڑ دو۔

ریواز۔ کبھی نہیں میں اپنے جیتے جی تمہیں اس فوجی افسر کی آغوش میں نہیں جانے دوں گا۔ خدا کی قسم تم میری ہو۔ سر سے لے کر پاؤں تک میری ہو۔ میں تمہیں کبھی اپنے چنگل سے آزاد نہیں کروں گا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تو ہر روز شام کو صوبیدار کے

ساتھ گلگشت کرتی تھی۔ اسے اب یہ خوشی دوبارہ نصیب نہ ہوگی اور اسے حق بھی کیا ہے کہ وہ دوسرے کی خوشی چھین لے۔ اسکی راحتوں کو برباد کر ڈالے حسینہ۔ اور تمہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ تم ایک نہتی بے یار و مددگار عورت کے دل کو روند ڈالو۔ اس کی خوشیوں کے ہرے بھرے باغ کو اجاڑ ڈالو۔ اس کی جوانی کی امنگوں اور خواہشوں کو اپنی ہوس کی آگ میں جھلس کر ہمیشہ کے لئے خاکستر کر ڈالو حتیٰ کہ اس کی زندگی میں ہنسی کی آخری کرن بھی غائب ہو جائے۔ اور اس کی روح کے کھنڈروں میں سائیں سائیں کرنے والی رات کے بھیانک سائے پھیل جائیں کمینے وحشی کیا تجھے قاہرہ کی وہ شام یاد ہے جب تو نے گڑگڑا کر مجھ سے معافی طلب کی تھی۔ اور کہا تھا کہ میں اب کبھی تجھ سے برا سلوک نہ کرونگا تیری آزادی میں کبھی دخل نہ دوں گا۔ تو ایک ملکہ ہوگی۔ اور میں ایک حقیر درباری ملکہ عورت اس وقت ملکہ ہوتی ہے جبتک وہ مرد کی ہوس رانیوں کے خلاف آواز نہ اٹھائے ملکہ عورت اس وقت ملکہ ہوتی ہے۔ جب تک وہ مرد کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کرتی رہے ملکہ۔۔۔۔ شاید مرد کی غلامی کا دوسرا نام ہے۔ چھوڑ دے میرا ہاتھ میں اس سے ملنے کے لئے ضرور جاؤنگی۔ وہ دشمن سے جنگ کرنے جا رہا ہے۔ خدا جانے لوٹے یا نہ لوٹے۔ میرے اللہ کہیں یہ ہماری آخری ملاقات نہ ہو۔

(آواز دبیتا ہے) خدا جانے کیا۔ یہ یقیناً تمہاری آخری ملاقات تھی اب تم اسے

کبھی نہ دیکھ سکو گی۔ میں تمہیں سمندر کے کنارے نہیں جانے دوں گا۔ وہ اپنے جہاز پر تمہیں نہ دیکھے بغیر ہی جائے گا۔
اس زندگی میں اسے تمہاری صورت دیکھنا دوبارہ نصیب نہ ہو گا۔ تمہارے عاشق کو ....

حسینہ۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔ وہ میرا عاشق نہیں ہے۔ ہاں اس نے میری مدد ضرور کی ہے۔ اس نے میری جان بچائی ہے۔ اُس نے مجھے زندگی سے انسانوں سے۔ ہاں ان انسانوں سے جن سے مجھے نفرت ہے پھر محبت اور ہمدردی کرنا سکھایا ہے۔ میری کشتی حیات جو ناامیدی اور قہر کے تیز دھارے پر بہتی چلی جا رہی تھی۔ اس جیالے کی ہمت سے پھر ساحل سے آن لگی لیکن اسے مجھ سے عشق نہیں تھا (سسکی لے کر) کاش کہ ایسا ہوتا۔ تو میں آج یہاں نہ ہوتی۔ تمہاری منحوس صورت نہ دیکھتی اور تمہاری زبان سے وہ باتیں نہ سُنتی جو بھالے بن کر میرے کلیجے میں چبھے جا رہے ہیں ......
اسے اپنا فرض پیارا تھا۔ وہ وطن کا سپاہی تھا۔ یہاں دشمن سے لڑنے آیا تھا۔ وہ محبت کے جھمیلوں میں نہ اُلجھنا چاہتا تھا۔ کاش کہ تم اُس کی اُس قربانی اس ایثار کا اندازہ لگا سکتے۔ میرا جسم۔ میری جان میری روح سب کچھ اُس کے لئے تھا لیکن اُس نے اپنے فرض کو مقدم جانا۔ اور ایک تم ہو منحوس۔ رذیل

کمینے۔ جو ایک جونک کی طرح میری زندگی سے چپکے بیٹھے ہو۔ مجھے جانے دو
میں کہتی ہوں۔ مجھے جانے دو۔

ریواز۔ کہاں جاؤ گی۔ اب اس خیال خام کو دل سے نکال دو۔ میں جونک
ہی سہی۔ لیکن میں خون نہیں پیتا۔ میں تو شراب پیتا ہوں۔ آج تم بھی
پیو۔ یہ تمہاری محبت کی آخری رات ہے۔ او تمہارے اس سہاگ کے
آخری لمحے۔ جو قاہرہ کے بازاروں میں بسا اور اسکندریہ کے کانٹے میں
اجڑ گیا۔

(دروازہ بند کر دیتا ہے)

حسینہ۔ کیا کر رہے ہو۔ مجھے چھوڑ دو۔ دروازہ کھول دو۔ خدا کے لئے۔
ریواز میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ خدا کے لئے ایک بار مجھے اس سے
ملنے دو۔ صرف ایک بار۔ اس کا چہرہ دیکھ لینے دو۔ پھر میں ہمیشہ کے لئے
تمہاری ہو جاؤں گی۔ میں خدائے برتر کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ ریواز۔ میں پھر
کبھی اس سے ملنے کی کوشش نہ کروں گی۔ میں اس کی یاد کو بھی دل سے
بھلا دوں گی۔ صرف ایک بار اسے دیکھ لینے دو۔ ریواز ——— ریواز

(دروازے سے لگ کر سر جھکا لیتی ہے اور پھر گھٹنوں کے بل جھک جاتی ہے)

(جہاز کی کوک)

ریواز: تمہارے جانے کی آخری راہ بھی مسدود ہو گئی۔ اب تم اس سے کبھی نہ مل سکو گی۔ آؤ۔ آؤ۔ ادھر آؤ۔ ہم تم دونوں راندۂ درگاہِ محبت ہیں۔ آؤ گے اس غبارِ محبت کو اس ارغوانی شراب میں جھونک دیں۔ ہو۔ ہو۔ ہو۔

اب جو تار زندگی چپ چاپ سی ہے تم کبھی
اٹھی صدائے درد جب کوئی کنارہ کر گیا

(جہاز کی کوک)

حسینہ: چلا گیا ــــــ ہمیشہ کے لئے کھو گیا ــــ (سسکیاں لیتی ہے)

ریواز: میں نے تم سے محبت کی ہے۔ تم نے صوبیدار سے محبت کی ہے۔ صوبیدار نے اپنے فرض سے محبت کی ہے۔ کیا تم اس پھیلتی ہوئی زنجیر کے حلقوں کو دیکھ سکتی ہو۔ جو انسانوں اور ان کے دلوں میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ محبت اور فرض۔ فرض اور محبت زندگی ان ہی دو منزلوں میں بھٹکنے کا نام ہے۔ ہو۔ ہو۔

زندگی اک رقصِ جاوداں ہے پیاری

پس منظر میں جہاز کی کوک۔ جہاز کے چلنے کی آواز۔ (وقفہ) اس دوران میں صرف حسینہ کی سسکیوں کی آواز آتی ہے۔ ریواز پھر کرسی سے لگ

کر سو گیا ہے۔ اور خراٹے لے رہا ہے۔ حسینہ کی سسکیاں اور ریوازن کے خراٹے۔ پیمانہ تپائی پر اوندھا پڑا ہے۔ اور سرخ شراب فرش پہ پھیل گئی۔

(پردہ)

دروازه

دروازہ

پہلی بار — دہلی ۱۷ اگست ۱۹۴۰ء

ڈرامے کے افراد اور اداکار

ماں	چندر کرن چھایا
کانتا	خورشید بیگم
شانتا	سرلا دیوی
مالک مکان	محمد حسین
اجنبی	تاج محمد

زمانہ حال

دروازہ

(کھڑکی زور سے کھلتی ہے، بادل کی گرج ہلکی سی اور ہوا کے فراٹے کے ساتھ بارش کی آواز کمرے کے اندر سنائی دیتی ہے)

ماں۔ اب تو بارش بھی شروع ہو گئی بیٹی ——— (وقفہ) ——— اور یہ ہوا کا طوفان ——— (وقفہ) ——— اب کون آئے گا اس طوفان کے اندھیارے میں ——— (وقفہ) ——— کانتا بیٹی اب کیا وقت ہو گا۔؟

کانتا۔ مجھے نہیں معلوم۔

ماں۔ بتا بھی دے بیٹی (آبدیدہ ہو کر) اگر آج میری آنکھیں ہوتیں تو میں خود دیکھ لیتی

کانتا۔ گھڑی شانتا کے میز کے اوپر پڑی ہے۔ شانتا میز پر سے ہٹے تو میں وقت معلوم کر لوں۔

ماں۔ شانتا بیٹی!

شانتا۔ (کمرے کے دوسرے کونے سے آواز) ماں ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔

(وقفہ)

ماں۔ ساڑھے....... آٹھ...... رات ہو گئی، رات اور طوفان.... اس طوفان

میں اب کون آئے گا ؟

شانتا - میں نے ونود سے کہا تھا -

ماں - ونود کیوں ہمارے گھر آنے لگا - ونود کیوں کسی غریب بہن سے راکھی بندھوائے گا ؟ ونود ! تم نے ونود سے کب کہا تھا ؟

شانتا - صبح ہی ، ابھی وہ پوجا پاٹ سے فارغ ہی ہوا تھا کہ اس کی بہن نے اس کے راکھی باندھ دی تھی - اور اس نے اسے ایک پونڈ دیا تھا - سچ مچ کا پونڈ ، سونے کا پونڈ - جب میں ونود کے گھر گئی تو اس وقت وہ ہنس ہنس کر اپنی بہن سے باتیں کر رہا تھا - لال چندن کا تلک اس کے ماتھے پر تھا - بال پانی سے بھیگے ہوئے تھے - ہاتھوں پر سنہری تاروں سے گندھی ہوئی راکھی - میں نے اس سے کہا بھیا راکھی بندھوا لو (آبدیدہ ہو کر) اس نے کہا شانتا تم گھر چلو - میں ابھی آتا ہوں ..... اب ساڑھے آٹھ بجے ہیں .... رات ہو گئی -

ماں - رات اور طوفان !

(شانتا سسکیاں لیتی ہے)

ماں - رو نہیں میری بیٹی ، ادھر آ میرے پاس اگر اس وقت تیرا بھائی ہوتا میرا پیارا چاند ! ہائے میرا ہوا ان ڈاکوؤں کا جو میرے چاند کو اٹھا کر لے گئے -

(کھڑکا)

کون ہے؟

شانتا۔ ونود!؟

(بلی کا بولنا)

کانتا۔ (کمرے کا دروازہ کھول کر) نہیں بلی ہے۔ بارش سے پناہ مانگ رہی ہے۔

(میاؤں، میاؤں)

ماں۔ کانتا۔ اُسے اندر لے آ۔

کانتا۔ لیکن ہم اسے کھلائیں گے کیا؟ گھر میں تو اب کچھ بھی نہیں۔

ماں۔ صبح کی ایک روٹی بچی تھی۔

شانتا۔ (شرمسار ہو کر) مجھے بھوک لگی تھی ماں، میں نے کھائی۔

(میاؤں۔ میاؤں)

ماں۔ اگر تمہارے پتا اس وقت زندہ ہوتے ــــــــ

کانتا۔ (طنز سے) اگر ــــــ

ماں۔ کیا کہا۔

کانتا۔ کچھ نہیں۔

ماں۔ کچھ تو کہا ہے، بیٹی، اپنی اندھی ماں کو نہ بتاؤ گی؟

کانتا۔ (چڑ کر) کچھ کہا ہو تو بتاؤں۔ تمہارے کان تو جیسے ہوا میں ہر وقت کسی کی آواز

کو سنتے رہتے ہیں۔

ماں۔ لیکن مجھے وہ آواز کبھی نہیں سنائی دیتی۔ جب میرا پیارا چاند مجھے کہا کرتا تھا "ماں"۔ "ماں مجھے بھوک لگی ہے"۔ "ماں مجھے ماسٹر نے مارا ہے"۔ "ماں مجھے پیسہ دو"۔ اُس کا وہ گورا گورا ہر وقت ہنستا ہوا چہرہ۔

کانتا۔ (ناراضگی سے) ماں!

ماں۔ (ان سنی کر کے) جب وہ ہنستا تھا تو اس کے داہنے گال پر ایک عجیب خم سا پڑتا تھا۔ جو مجھے بہت بھلا معلوم ہوتا تھا اور جب میں اُس کے بال سنوار کر اُسے ٹوپی پہناتی تھی۔ اس وقت میں اندھی نہ تھی بیٹی!

کانتا۔ ماں!!

ماں۔ ایک دن وہ سکول سے دوڑتا دوڑتا گھر پہنچا۔ کہنے لگا "ماں آج قصبہ میں جگہ جگہ اشتہار لگے ہوئے ہیں کہ آج یہاں ڈاکہ پڑے گا۔ قصبے کے سب لوگ پریشان ہو رہے ہیں۔ ماسٹر جی نے ہمیں جلد چھٹی دے دی ہے"۔ پھر کچھ دیر کے بعد چاند کے پتا بھی آ گئے۔ انہوں نے بھی یہی بات سنائی۔ وہ دن ہم نے جس پریشانی میں گذارا۔ . . تم تو اس وقت پیدا ہی نہ ہوئی تھیں اچھا ہوا ورنہ ڈاکو تمہیں بھی اٹھا لے جاتے، اور پھر وہ رات۔ وہ کالی بھیانک رات،

کانتا۔ ماں!!

ماں۔ (چیخ کر) میرا آٹھ سال کا بچہ! پلا پلایا میرا لاڈلا اکلوتا چاند۔ لٹیرے وہ سب کچھ لوٹ گئے تھے لیکن میرے بچے کو تو نہ لے جاتے۔ میں نے ان کے آگے ہاتھ جوڑے۔ اپنے بال کھول کر ان کے پاؤں پر دھرے لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ کہتے تھے کہ ایک مہینے کے اندر پانچ ہزار روپے ادا کر دو گے تو تمہارا چاند تمہیں واپس مل جائے گا۔ میری ان آنکھوں کے سامنے وہ میرے لال کو اٹھا کر لے گئے۔ تمہارے پتا رسیوں سے جکڑے ہوئے چارپائی پر پڑے تھے۔ چاند چلا رہا تھا۔ ایک ڈاکو نے اس کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا۔ اور اس کے لبوں سے خون کی دھار پھوٹ کر بہنے لگی.... وہ میرے سامنے میرے لال کو لے گئے۔ کاش میں جنم سے اندھی ہی پیدا ہوتی ــــ یوں گڑگڑا کر اندھی ہونا میرے نصیبوں میں لکھا تھا۔ تمہارے پتا بھی اسی سوچ میں گھل گھل کر مر گئے کہ کہیں سے پانچ ہزار روپیہ اکٹھا ہو....

(بادل کی گرج۔ بارش کی آواز تیز ہو جاتی ہے)

کھڑکی بند کر دو کانتا۔ ہوا کے تیز فراٹے میرے رخساروں کو جیسے چیر رہے ہیں۔

شانتا۔ کانتا بہن۔ کھڑکی کھلی رہنے دو۔ شاید ونود بھیا آتے ہوں۔ کھڑکی بند دیکھ کر واپس چلے جائیں گے۔

کانتا۔ (دور سے، کھڑکی کے قریب جا کر باہر نکلتے ہوئے) کوئی بھی تو نہیں آ رہا۔ گلی سنسان پڑی ہے۔ چوراہے پر پولیس کا سپاہی لیمپ کے نیچے کھڑا بارش میں ٹھٹھر رہا

بھیگ رہا ہے، اب کون آئے گا۔ شانتا بہن تم نے ایک ونود سے کہا، تو تم نے کتنوں سے کہا۔ رام بھروسے سے شنکر لال سے، دیپا ناتھ سے لیکن سبھی ٹال گئے۔ سبھی کہتے تھے گھر آکر بندھوائیں گے۔ دیکھو کوئی اس وقت تک پہنچا؟ کون آئے گا؟ کسے ضرورت ہے کہ غریب بہنوں کا بھائی بنے مفت کا خرچ۔ اور پھر ہماری راکھی بھی کیا ہے سچے سوت کا لال دھاگا جس میں نہ زری کے تار، نہ موتیوں کی جھلک۔ نہ ریشم کے مسکراتے ہوئے پھول ہماری راکھی بھی ہماری زندگیوں کی طرح پھیکی، اداس بے رنگ و بو ہے۔ اس راکھی کو کون پسند کرے گا۔ تم ونود پر آس لگائے بیٹھی ہو، بیٹھی رہو میں کھڑکی بند کئے دیتی ہوں۔

ماں۔ بیٹی یہ اچھا نہیں ہوا، یہ راکھی کا پوتر تیوہار ہے، تم کسی برہمن ہی کو بلا لائیں۔ اُسے ہی راکھی باندھ دیتیں۔ یہ اچھا نہیں ہوا بیٹی۔ تمہیں راکھی ضرور باندھنی چاہیے۔

کانتا۔ (طنز سے) تو جاکر اُس پولیس مین کے راکھی باندھ آؤ جو چوراہے پر کھڑا ہے ......

ماں۔ ناحق غصہ کرتی ہو کانتا بیٹی

شانتا۔ کانتا۔ آج تمہیں کیا ہوا ہے؟

کانتا۔ تمہارے ونود بھیّا جو ابھی آرہے ہیں۔ ہا ہا ہا۔ ونود بھیّا۔

ماں۔ کانتا! کانتا!!

کانتا۔ (بلند آواز میں) تو میں کیا کروں جیسے میں نے پنڈت بنارسی داس کے بیٹے

کو کہا نہیں۔ جیسے میں نے چندر دیدی جی کے لڑکے سے ہاتھ جوڑ کر التجا نہیں کی
کہ آئے اور ریشم سے راکھی بندھوا جائے۔ لیکن کوئی آئے بھی تو۔ اس گھر میں
کون آئے گا؟ اور کوئی یہاں آئے بھی کیوں؟ راکھی بندھوا کر اسے کونسی دکشنا مل
جاتی۔ یہی سوکھی ہوئی روٹی اور باسی دال۔ اور اب تو یہ گھر بھی ہمارا نہ رہے گا
میں نے تمہیں بتایا نہیں کہ مالک مکان آج دوپہر کو مجھے گھر سے باہر ملا تھا۔
کہہ رہا تھا۔ آج تیسرا مہینہ شروع ہو گیا ہے لیکن کرایہ ابھی تک نہیں پہنچا
کہتا تھا اگر ایک مہینے تک کرایہ ادا نہ کیا تو اس مکان سے باہر نکلنا ہوگا۔
ماں۔ ہے بھگوان! ان لوگوں کا خون کس قدر سفید ہو گیا ہے۔ لیکن سبھی لوگ تو
ایسے نہیں ہوتے۔ سبھی لوگوں کے دل تو ایسے کٹھور نہیں ہوتے۔ راکھی کی
کتھا میں شرون کمار کا بھی ورنن ہے۔ شرون کمار بھی تو ایک برہمن کے بیٹے
تھے لیکن انہوں نے اپنے اندھے ماں باپ کی کتنی سیوا کی۔ دن رات
انہیں ڈولی میں بٹھائے کاندھوں پر اٹھائے پھرے۔ اور سارے بھارت ورش
کی جاترا کرادی یہی شرون کمار جینتی کا دن ہے اور آج کوئی غریب بہن کو راکھی بھی
باندھنے نہیں دیتا کہ شاید مریادا کا پالن کرنا پڑے۔ آج راکھی کا تو تیوہار ہے اور اشنان
اور پوجا پاٹ کے بعد وید منتروں کے اچارن اور ہون کے ساتھ لوگ پرانے جنیو
بدلتے ہیں۔ گویا زندگی کا ایک نیا چولا، نیا روپ بدلتے ہیں۔ وہ میری بچی کی کوئی راکھی

قبول نہیں کرتا۔

کانتا۔ (تلخی سے) یہ بھی تو ایک نیا روپ ہے۔

شانتا۔ ماں کیوں اپنے جی کو ہلکان کرتی ہو۔ کانتا تو بھی کیوں کچھ نہ کچھ کہے دیے جاتی ہے۔ ماں! اس جی جلانے سے کیا حاصل؟ اب سو جاؤ۔

ماں۔ میں سوتی رہوں یا جاگتی رہوں۔ میرے سونے اور جاگنے میں اب فرق ہی کیا ہے میرے لئے تو کل دُنیا اسی دن ایک کالی رات بن گئی تھی جس دن میرا لال مجھ سے چھینا گیا تھا۔ پھر جب پتی مر گئے تو زندگی کی آخری کرن بھی غائب ہو گئی۔ میرے لئے تو اس جنم میں اندھیارا ہی اندھیارا ہے۔ یہ وہ کالی رات ہے بیٹی جس کی کوئی صبح نہیں۔ وہ درد ہے جس کی کوئی دوا نہیں۔ وہ دُکھ ساگر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

(ہوا کا جھونکا روزنوں میں سے ایک دردناک سیٹی پیدا کرتا ہوا گزرتا ہے)

یہ کس نے آواز دی؟

شانتا۔ کوئی نہیں ہے ماں! گلی بالکل خالی ہے۔ یہ ہوا روزنوں میں سے آواز پیدا کرتی ہوئی گزر رہی ہے۔

کانتا۔ سو جاؤ، ماں، اور اپنے ان گیلے رخساروں کو پونچھ ڈالو.... اٹھو ماں

ماں۔ بہت اچھا بیٹی، بہت اچھا بیٹی، چلو مجھے اوپر سونے کے کمرے میں لے چلو،

(فرش پر لکڑی ٹیکنے کی آواز، قدموں کی آواز)

کانتا گنگناتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ پرسوز لے میں گاتی ہے :-

نیر بھرے نینن کی پنچھی

کس بدھ پیاس بجھاؤں

من کی بنسیا ٹوٹ چکی

اب کیسے اسے بجاؤں

چھوٹی سی نینن کی نیا

بیچ سمایو ساگر

پلکوں کے پتوار لگا کر

کس بدھ پار لگاؤں

پنچھی کس بدھ پیاس بجھاؤں

ہر دے میں دکھ درد بہت ہے

گھاؤ بہت ہیں پیڑ بہت ہے

پھر بھی یہ سونی ہے بستی

کیسے اسے بساؤں

پنچھی کس بدھ پیاس بجھاؤں

پنچھی

شانتا۔ کانتا بہن، تم رو رہی ہو۔

کانتا۔ (کھڑکی کھول کر) مینہ تھم گیا۔

(دروازے پر دستک)

کانتا۔ تمہارے بھیّا ونود ہوں گے۔

شانتا۔ نہیں پنڈت ودیا ناتھ ہوں گے۔

آواز۔ دروازہ کھولو۔

(دروازہ کھلنے کی آواز)

کانتا۔ اخاہ، آپ ہیں تشریف رکھئے کہئے اس وقت کیسے آنا ہوا؟ غالباً آپ راکھی بندھوانے کے لئے آئے ہیں۔ ذرا ٹھہریئے میں ابھی لال دھاگا لائی۔

مالک مکان۔ ہیں ..... اں ..... میں ..... راکھی ..... ارار ... میں حاضر ہوا تھا یہ کہنے کے لئے کہ آپ نے تین ماہ کا کرایہ ادا نہیں کیا ہے ..... میں اں ..... اں ..... راکھی نہیں بندھواؤں گا ..... میں تو کبھی کی بندھوا چکا۔ بات یہ ہے کہ اگر آپ نے پرسوں تک کرایہ ادا نہ کیا تو آپ کو اس مکان سے نکلنا ہوگا

کانتا۔ اچھا، یہ بات ہے۔ آج صبح ایک ہفتہ کی میعاد ملی تھی اب دو دن رہ گئے

شر میاں جی آج راکھی کے دن بھی آپ کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ ٹھہریئے میں لال سوت لاتی ہوں۔

مالک مکان۔ ارار نہیں نہیں، میں یہی کہنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ میں اب چلتا ہوں مجھے ضروری کام ہے۔

(دروازہ زور سے بند ہو جاتا ہے)

(وقفہ)

شانتا۔ گیا۔

کانتا۔ نہیں سمجھو سر پر ایک اور مصیبت آئی۔

شانتا۔ اب کیا ہوگا ——— (وقفہ) ——— کانتا بہن ——— (وقفہ) ———

کانتا بہن! یہ تم کھڑکی میں کھڑی کسے دیکھ رہی ہو؟

کانتا۔ اپنے آنے والے دنوں کو۔

شانتا۔ میں نے وہ جو بستر کی چادر کاڑھ کر دی تھی۔ اس کے مجھے صرف آٹھ آنے ملے ہیں

کانتا۔ دو روپیہ کرایہ کے لئے میں نے بھی بچا رکھے ہیں۔

شانتا۔ یہ تو ڈھائی روپے ہوئے۔ ابھی چھ روپے اور چاہئیں۔

کانتا۔ ہاں چھ روپے اور چاہئیں۔

شانتا۔ اب کیا ہوگا؟ پرسوں تک چھ روپے کہاں سے آئیں گے مجھے تو کوئی امید

نظر نہیں آتی۔ چاروں طرف اندھیارا ہی اندھیارا دکھائی دیتا ہے۔

کانتا (طنز سے) ماں کی اندھی آنکھوں کی طرح!

شانتا۔ کانتا بہن۔ تم مذاق کرتی ہو۔ بیہودہ مذاق۔ مجھے تمہاری یہ عادت مطلق پسند نہیں۔ اپنی ماں کے متعلق یہ الفاظ! تمہیں کیا ہو گیا ہے! میں تو یہ پوچھتی ہوں کہ یہ چھ روپے ہم پرسوں تک کہاں سے لائیں گے۔

کانتا۔ سوچو! دماغ پر زور دو۔

شانتا۔ مجھے تو کچھ نہیں سوجھتا۔

کانتا۔ جب سب دروازے بند ہو جائیں۔ اس وقت بھی عورت کے لئے ایک دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا رہتا ہے۔

شانتا تم کیا کہہ رہی ہو؟

کانتا۔ اس دنیا میں مرد مالک ہیں اور عورتیں غلام۔ مرد خریدار ہوتے ہیں اور عورتیں جنس خرید، مرد کتے اور عورتیں ہڈیاں، مرد راکھی بندھوانا پسند نہیں کرتے، وہ راکھی توڑنا پسند کرتے ہیں۔

شانتا۔ کانتا بہن۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

کانتا۔ سنو۔ اس کھڑکی کے پار ایک دوسری کھڑکی ہے۔ اس میں ایک اوباش مزاج نوجوان مجھے اکثر گھورا کرتا ہے۔ وہ ایک لحاظ سے خوبصورت بھی ہے۔ دولتمند

بھی ہے۔ اور پھر اس کے مکان کے نیچے گیرج میں اس کی ایک موٹر بھی ہے
اُس نے کئی بار مجھے پریم پتر لکھے ہیں۔ لیکن میں نے کبھی کسی کا جواب نہیں
دیا۔ مجھے اس کی کھڑکی میں سے ابھی تک روشنی نظر آ رہی ہے۔

شانتا۔ کانتا بہن کھڑکی بند کر دو۔

کانتا۔ تمہاری سب آشائیں پوری ہو سکتی ہیں سبھی ——— چھ رُپے
نہیں سینکڑوں روپے، ہزاروں روپے۔ بولو۔

شانتا۔ کانتا بہن کھڑکی بند کر دو...... کھڑکی سے پرے ہٹ جاؤ.....
نہیں مجھے خود ہی اسے بند کرنا ہوگا۔

(کھڑکی کے بند ہونے کی آواز)

کانتا۔ تم نے کھڑکی بند کر دی ——— بھولی شانتا! لیکن میں اس کھڑکی سے
باہر تو نہ کُود سکتی تھی۔ میں تو جب جاؤں گی۔ سامنے کا دروازہ کھول کر جاؤنگی۔

(فرش پر چلنے کی آواز)

(فرش پر تیز تیز قدموں سے بھاگنے کی آواز، کسی جسم کے دروازے سے
زور سے لگنے کی آواز)

کانتا۔ ہٹو، مجھے جانے دو۔

شانتا۔ نہیں، میں نہیں جانے دوں گی۔

کانتا۔ دروازہ کھول دو۔

شانتا۔ نہیں میں دروازہ کبھی نہیں کھولوں گی۔

کانتا۔ میں کہتی ہوں دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھول دو۔

شانتا۔ نہیں، نہیں، کبھی نہیں۔

کانتا۔ معلوم ہوتا ہے تم ایسے نہیں ہٹو گی۔

(کشمکش کی آواز، شانتا کے مُنہ سے ایک بلند چیخ نکلتی ہے۔ لیکن کانتا فوراً ہی اس کے مُنہ پر ہات رکھ دیتی ہے)

(وقفہ)

(دروازے پر دستک، زور زور سے دستک)

(وقفہ)

آواز۔ دروازہ کھولو۔

(وقفہ)

کانتا۔ (سرگوشی سے) دروازہ کھول دو اب تو۔

(دروازہ کُھلنے کی آواز)

(ایک اجنبی اندر داخل ہوتا ہے)

اجنبی۔ اوہ۔ میں سمجھا کوئی خون خرابہ ہو رہا ہے۔ میں باہر سے گزر رہا تھا کہ میں نے ایک

چیخ سُنی۔

کانتا۔ چیخ یا قہقہہ۔

اجنبی۔ کچھ سمجھ لو بہن لیکن مجھے تو چیخ ہی سنائی دی۔

شانتا۔ بیٹھ جائیے۔ تشریف رکھئے۔

اجنبی۔ شکریہ (وقفہ)

کیا آپ دونوں بہنیں اکیلی یہاں رہتی ہیں۔

کانتا۔ یہ آپ نے کیسے جانا کہ ہم دونوں بہنیں ہیں۔

اجنبی۔ (ہنستے ہوئے) آپ کے چہروں سے۔

شانتا۔ جی ہم اپنی ماتا جی کے ساتھ یہاں رہتے ہیں۔

اجنبی۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں پوچھوں کہ جھگڑا کس بات پر ہو رہا تھا۔

کانتا۔ راکھی کے تیوہار پر۔

اجنبی۔ اچھا، آج رکھی ہے؟

کانتا۔ آپ کو معلوم نہیں؟

اجنبی۔ میں بہت مدت سے سفر میں ہوں۔ اس جگہ ابھی ابھی وارد ہوا ہوں۔ سفر میں

آدمی بہت سی باتیں بھول جاتا ہے ۔۔۔۔ اچھا تو پھر کیا ہوا۔

کانتا۔ یہ کہہ رہی تھی کہ راکھی کا تیوہار اچھا ہے۔ اور میں کہہ رہی تھی کہ مجھے اتنا پسند نہیں

شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ ہم بہنوں کو آج بہت مایوسی ہوئی ہے
۔آپ دیکھیے ہمارا کوئی بھائی نہیں۔

شانتا۔ اور آج کسی نے ہم سے راکھی نہیں بندھوائی۔

کانتا۔ اور میں بہن شانتا سے کہہ رہی تھی کہ دروازہ کھول دے ہیں سامنے کے مکان....

شانتا۔ خاموش کانتا! ——— تو کیسی بچوں کی سی باتیں کرتی ہے۔

(وقفہ)

اجنبی۔ ہم! یہ بات ہے (وقفہ)
کانتا بہن میرے راکھی باندھ دو ——— اور شانتا بہن تم بھی!

کانتا۔ کیا آپ راکھی بندھوائیں گے! سچ مچ۔

شانتا۔ لیکن آپ تو پردیسی ہیں۔

اجنبی۔ پردیسی بھی بھائی بن سکتے ہیں بہن۔

کانتا۔ میں ابھی لال دھاگا لائی۔

شانتا۔ آپ کا نام کیا ہے؟

اجنبی۔ مجھے اجے کمار کہتے ہیں۔

کانتا۔ لیجئے ہاتھ بڑھائیے ——— شانتا تم بھی ——— دوسری کلائی پر۔

شانتا۔ اجے بھیّا۔

(سیڑھیوں سے اترنے کی آواز)

شانتا۔ یہ کیا، پونڈ۔ سچ مچ کے پونڈ۔ سونے کے پونڈ۔

اجنبی۔ عزیب بھائی کی طرف سے یہ نذر قبول ہو۔

(لکڑی ٹیکنے کی آواز قریب ہو جاتی ہے)

شانتا۔ (سرگوشی میں) ماں جی ہیں!

ماں۔ کون ہے! یہ کیا جھگڑا ہو رہا ہے؟

شانتا۔ (سرگوشی میں) آپ ٹکٹکی لگائے ان کی آنکھوں کی طرف کیوں تک رہے ہیں انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

کانتا۔ ماں۔ ہم راکھی باندھ رہے تھے۔ اور شانتا خوشی سے ناچ رہی تھی۔

ماں۔ کیا ونود آ گئے!

شانتا۔ نہیں ماں۔ یہ اجے بھیا ہیں (سرگوشی میں) ماتا جی کو پرنام کرو ——!

اجنبی۔ ماتا جی پرنام۔

ماں۔ جیتے رہو بیٹا تم کون؟ ادھر کیسے آئے؟

اجنبی۔ جی، میں باہر سے گزر رہا تھا۔ اس کمرے میں ان دونوں بہنوں کے جھگڑنے کی آواز سُنی دروازے پر دستک دی۔ اور انہیں کہہ، اندر چلا آیا۔ یہاں ان دونوں شریر لڑکیوں نے مجھے راکھی سے باندھ دیا۔

ماں۔ بہنیں ہیں بیٹا، یہ تمہاری بہنیں۔ اس عمر میں راکھی باندھنے کی بہت چاہ ہوتی ہے۔ اچھا بیٹا تم اس شہر میں کیسے آ رہے ہو۔

اجنبی۔ یونہی ڈھونڈتا ہوا آ رہا ہوں۔ کھوج لگانے کے لئے نکلا ہوں۔

ماں۔ کسے ڈھونڈھ رہے ہو بیٹا؟

اجنبی۔ اپنے ماں باپ کو، مدت ہوئی مظفر گڑھ سے مجھے ڈاکو اٹھا لے گئے تھے۔ بہت مدت تک ان کے ساتھ رہا۔ پھر ایک دن ان کے چنگل سے نکل بھاگا۔ بمبئی جا کر ملازمت اختیار کر لی۔ پھر ماں باپ کا پتہ لگانے نکلا۔ مظفر گڑھ گیا۔ معلوم ہوا پتاجی کا انتقال ہو گیا ہے۔ پھر اس شہر کا کسی نے پتہ دیا۔ اور میں ادھر۔۔۔

ماں۔ اٹھ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ لکڑی زمین پر گر جاتی ہے) ادھر آؤ بیٹا۔ اے کمار ذرا میرے قریب آؤ۔ میں تمہیں اپنی اندھی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔

(قدموں کی آواز)

اور قریب آؤ بیٹا۔ تمہارا چہرہ کہاں ہے۔ کہاں ہو تم۔ اے کمار بیٹا۔ یہ آنکھیں تمہیں پہچان نہیں سکتیں لیکن ماں کی انگلیاں تمہیں پہچان لیں گی۔ ہاں یہ وہی ناک ہے۔ وہی ہونٹ، یہ کان کے پاس وہی تل، میرے لال، میرے چاند، میری چھاتی سے لگ جاؤ بیٹا۔ تم نے مجھے بہت دکھ دیا ہے۔

(سسکیاں لیتی ہے)

اجنبی - ماں!

کانتا، شانتا، بھیا!

ماں - ہاں ہاں وہی تو ہے - تمہارا بھیا چاند - وہی گھنگریالے بال ہیں - جن میں کنگھی کر کے تمہیں ٹوپی پہنایا کرتی تھی - وہی ابرو، اور یہاں زخم کا نشان بیٹا، مجھے اچھی طرح پکڑ لو - مجھے گرنے نہ دینا - اپنے طاقت ور بازوؤں کا سہارا دو - میرے چاند، میری اندھی آنکھوں کے روشن ستارے، میری اجڑی زندگی کے اُجیارے .....

اجنبی - ماں!

(پردہ)

حجامت

(ایک فارس)

حجامت

پہلی بار — لاہور، ۱۵ ستمبر ۱۹۳۸ء

ڈرامے کے افراد اور اداکار

پولیس آفیسر	افتخار احمد
ملزم	رام نرائن
ڈوگر سنگھ	سلطان سنگھ چاولہ

چند سپاہی - ملازم وغیرہ

زمانہ حال

وقت بارہ بجے دوپہر

حجامت

تھانے میں سب انسپکٹر پولیس کا کمرہ سٹیج کے بائیں طرف ایک بڑا میز جس پر ٹیلیفون رکھا ہے۔ مرکز میں دیوار پر شہر کا نقشہ ٹنگا ہے۔ مرکز سے دائیں جانب ایک کھڑکی جس میں لوہے کی مضبوط سلاخیں لگی ہیں: اس سے پرے ایک دروازہ، پولیس افسر کرسی پر بیٹھا اپنے ناخن صاف کر رہا ہے۔ تھوڑے عرصے کے بعد ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے

پولیس افسر (رسیور اٹھاتے ہوئے) کون! کیا؟ ہاں ہاں۔ میں نہیں سن سکتا ہوں، تمہاری آواز ——ہاں ہاں میں جانتا ہوں تم مجھ سے ٹیلیفون پر بات کر رہے ہو۔ کیا کہا؟ قتل کر دیا! دو آدمی! نہیں نہیں، ہاں ہاں۔ اچھا۔ وہ آدمی۔ وہ آدمی کون ہے؟ کیا کہا! زخمی آدمی بھاگ گیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا کہہ رہے ہو۔ وہ زخمی آدمی کدھر بھاگ گیا؟

(ڈوگر سنگھ سپاہی ایک موٹے سے جٹ کو بازو سے پکڑے ہوئے اندر داخل ہوتا ہے)

ڈوگر سنگھ (سلیوٹ کرتا ہے) حضور میں یہ ملزم——

پولیس افسر۔ (رسیور پر ہاتھ رکھ کر) دیکھتے نہیں میں ٹیلیفون پر بات کر رہا

ہوں۔ بدتمیز۔ خاموش کھڑے رہو۔ اور ملزم کو بھی اس کونے میں لے جاؤ۔
ٹیلیفون میں) ہاں اچھا تم کیا کہہ رہے ہو؟ ملزم پکڑا گیا؟ کیا کہا، مقتول بھاگ گیا۔ قاتل پکڑا گیا۔ کیا واہیات ہے؟ میجر حیات؟ میں نے کب کہا، میجر حیات؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دیکھو عبدالرحمٰن اگر تم قتل کی رپورٹ کرنا چاہتے ہو تو سیدھی طرح بات کرو۔ یہ ناک میں سارنگی کی طرح کیوں گنگنا رہے ہو۔ کیا کہا گانا؟ کون گانا سننا چاہتا ہے اس وقت؟ میں کہتا ہوں کہ خدا کیلئے سنتے ہو ناک میں سارنگی کی طرح نہ گنگناؤ سنتے ہو؟ او ـــــ ہو ہو! گھنٹی بجتی ہے پولیس آفیسر ریسیور ہاتھ سے رکھ دیتا ہے) او ـــــ ڈیم ڈوگر سنگھ کی طرف مڑتے ہوئے) اچھا۔ ڈوگر سنگھ یہ کیسے لے آئے تم؟

ڈوگر سنگھ۔ حضور اگر اجازت ہو تو عرض کروں میں ڈیوٹی پہ تھا کہ یہ شخص سڑک کے درمیان کھڑا ہو کر شور مچانے لگا۔ سینکڑوں لوگ اکٹھے ہو گئے۔ تانگے موٹریں چھکڑے سب رک گئے سب ٹریفک بند ہو گیا۔ حضور یہ سڑک کے درمیان کھڑا ہو کر شور مچانے لگا۔ سینکڑوں لوگ اکٹھے ہو گئے۔ تانگے، موٹریں چھکڑے سب رک گئے سب ٹریفک بند ہو گیا۔ حضور یہ سڑک کے درمیان کھڑا ہو کر شور مچانے لگا کہنے لگا کہ میں ایک سبزی فروش ہوں۔ میرا نام بُدّو لال ہے۔ میں نے ایک آدمی کو جان سے مار دیا ہے میں ملزم ہوں ..... اس لئے حضو

میں اسے آپ کے پاس لے آیا ہوں۔

پولیس آفیسر۔ (ہنستے ہوئے) کوئی بے چارا شرابی ہے..... کیوں بیٹا دو دلے ہا ہا ہا ـــــــ

ڈوگر سنگھ۔ نہیں حضور ـــــــ شرابی تو بالکل نہیں صرف بات اتنی ہوئی کہ یہ سڑک کے درمیان جہاں میں کھڑا ڈیوٹی دے رہا تھا۔ اکر چلانے لگا۔ لوگو میں خونی ہوں۔ قاتل ہوں میں نے ایک انسان کو قتل کیا ہے سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ میں نے ایک بھائی کو قتل کیا ہے۔ حضور اب میں اسے آپ کے حضور میں پیش کرتا ہوں۔

پولیس آفیسر۔ تم نے مجھے پہلے کیوں بتایا؟ اچھا یہ بات ہے۔ ڈوگر سنگھ ملزم کو گردن سے کیوں پکڑے ہوئے ہو۔ چھوڑ دو اس بچارے کو بھاگ کر کہاں جائے گا۔ کیوں بے دو دلے کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟

دو دلا۔ حضور میں ایک سبزی فروش ہوں۔ میں گناہ گار ہوں (دو زانو ہو کر گلو گیر لہجہ میں) حضور میں قاتل ہوں۔ میں ایک خونی ہوں۔ میں نے خون کیا ہے۔ مجھے قید کر لو جیل میں ڈال دو۔

پولیس آفیسر۔ (سختی سے) ہوں ـــــــ (نتھنے پھلاتے ہوئے) تم خونی ہو۔ بدمعاش۔

دولا۔ میں بدمعاش نہیں ہوں حضور میں خونی ہوں۔ حضور میں سبزی فروش ہوں۔ میں نے ایک انسان کو قتل کیا ہے۔ سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ ہائے ـــ حضور میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ میں مقتول کے خون کے دھبوں کو اپنے خون کے قطروں سے دھو دینا چاہتا ہوں۔

ڈوگر سنگھ۔ بس حضور سڑک کے درمیان کھڑا ہو کر اسی طرح چلائے جاتا تھا کہ میں نے اس کی گردن ناپی اور ــــــــ

پولیس افسر۔ بکواس۔ . . . (دولے سے) اچھا دولے کھڑے ہو جاؤ۔ سیدھے کھڑے ہو جاؤ میری طرف دیکھو۔ مجھ سے ہرگز کوئی بات نہ چھپانا ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ اب بتاؤ تم نے کس کا خون کیا ہے؟

دولا۔ ایک آدمی کا حضور . . . سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ میں نے اپنے بھائی کا خون کیا ہے۔ میں قاتل ہوں۔ میں اب اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا ضمیر میری گردن اڑا دینا چاہتا ہے۔ آہ بھائی میں نے گناہ کیا ہے۔ مجھے سزا دو۔ مجھے شکنجے میں کس ڈالو۔ مجھے رسوں سے باندھ دو میری حجامت کروا دو

پولیس افسر۔ حجامت۔ کیا بکتے ہو تم؟

دولا۔ ہاں حضور۔ حجامت۔ میں نے سنا ہے حضور کہ جیل میں جانے سے پہلے ہر قیدی کے سر کی حجامت کی جاتی ہے (رو کر) حضور میرے سر کی حجامت کر دیجئے۔

پولیس افسر۔ کیا بکتے ہو۔ سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ میری طرف دیکھو میرے سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دو

ڈونگر سنگھ۔ (قطع کلام کر کے) حضور بس یہ اسی طرح سڑک کے درمیان کھڑا چلا۔۔۔۔۔

پولیس افسر۔ (سختی سے) بکو مت تمہارا نام کیا ہے (فرش پر پڑے ہوئے ایک ٹرنک کو ٹھوکر لگا کر) ٹرنک تمہارا ہے؟

دولا۔ کونسا ٹرنک۔ حضور میں ٹرنک نہیں بیچتا حضور میں سبزی فروش ہوں میں پیاز شلغم۔ گوبھی۔ پالک بیچتا ہوں حضور پیاز ڈھائی آنے سیر۔ گوبھی ایک آنہ کا ایک پھول شلغم دو پیسے سیر۔ بازار کے نرخ سے حضور بہت سستے بیچتا ہوں کبھی تشریف لائیے حضور۔ بازار کے نکڑ پر دکان ہے۔ دھنیا ادرک مفت پالک سوا دو آنے

پولیس افسر۔ خاموش۔ خاموش۔ اچھا بتاؤ یہ ٹرنک کس کا ہے۔ اگر یہ تمہارا نہیں تو یہ ٹرنک یہاں کس طرح آیا ایں (سمجھانے کے انداز میں) آخر میرے دوست تم نے اُسے مار کر یا اس کا گلا گھونٹ کر کسی ٹرنک وغیرہ میں چھپا دیا ہو گا نا ایں آخر ہمیں بھی کچھ پتہ چلے دوست۔

دولا۔ میں کسی کا دوست نہیں میں بنی نوع انسان کا دشمن ہوں۔ میں نے ایک

انسان کا خون کیا ہے سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ مجھے حراست میں لے لو

میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ مجھے میرے گناہ کی سزا دو۔ خدا کے لئے

مجھے سزا دو۔

ڈوگر سنگھ۔ حضور یہ ٹرنک ہمارا اپنا ہے۔ اس میں بہت سی فائلیں بند ہیں

قتل کے نئے کیس جن کی تفتیش ہو رہی ہے۔

پولیس افسر۔ ہمارے پاس کتنے ٹرنک تھے۔

ڈوگر سنگھ۔ حضور چار۔

آفیسر۔ اچھی طرح گن لو

ڈوگر سنگھ۔ ایک دو۔ تین۔ چار۔ یہ حضور چوتھا ٹرنک ہے۔

آفیسر۔ تو ــــــ تو پھر۔ یہ ملزم کہاں سے آیا؟

ڈوگر سنگھ۔ حضور۔ یہ عین سڑک کے بیچ آکر جب میں ڈیوٹی پر کھڑا تھا۔

زور زور سے چلانے لگا۔

آفیسر (چیخ کر) بکو مت میں یہ پہلے بھی سن چکا ہوں۔ مگر اب دولے بیتاؤ کہ وہ

جسم کہاں ہے۔ میرا مطلب ہے کہ وہ مردہ ــــــ وہ لاش کہاں ہے؟

دولا۔ لاش؟ وہ تو میرا خیال ہے کب کی سڑ چکی۔ آہ وہ میرا بھائی تھا سب انسان

بھائی ہیں۔

آفیسر۔ دیکھو سیدھی طرح بات کرو۔ ورنہ وہ ہنٹر لگاؤں گا کہ پیٹھ کی کھال ادھیڑ دوں گا۔

دولا۔ سیدھی طرح تو کہہ رہا ہوں کہ میں نے ایک آدمی کا خون کیا ہے خون کرنے کے بعد میں نے سوچا کہ اب آرام سے رہوں گا۔ اور اس گناہ کو ہمیشہ کے لئے بھول جاؤں گا۔ لیکن نہیں میرا ضمیر مجھے دن رات پریشان کرتا رہا۔ مجھے ایک منٹ بھی آرام اور سکون نصیب نہیں ہوا۔ زندگی ایک مسلسل عذاب بن کر رہ گئی۔ میرا خیال تھا کہ میں اسے بھول جاؤں گا۔ لیکن نہیں رات کو بھی اکثر جب میں دکان پر سوتا تو یہی خیال مجھے ستائے رکھتا۔ اور میں گھبرا کر چاروں طرف نظر دوڑاتا تو کیا دیکھتا کہ...

آفیسر۔ (بات کاٹ کر) تو تم کیا دیکھتے۔؟

دولا۔ میں گاجر۔ مولیاں۔ گوبھی۔ پالک... اے حضور میں سبزی فروش ہوں نا۔

آفیسر۔ (پاؤں فرش پر مار کر) سیدھی طرح بات کرو۔ ورنہ ——

دولا۔ لیکن اس سے زیادہ سیدھی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ میں نے ایک آدمی کا خون کیا ہے میں ہر روز رات کو اپنے بستر پر لیٹ کر روتا ہوں۔ اور میری بیوی مجھے روتے ہوئے دیکھ کر کہتی ہے۔ دولے شاہ اس طرح رونے دھونے سے ضمیر کا بار ہلکا نہیں ہو سکتا۔ اور تم ہر رات تکیہ اور بستر کے بھلاف

اور چادریں گیلی کر دیتے ہو تم تُم کیوں نہیں اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیتے۔ اب تم بوڑھے ہو چکے ہو اور یہ غم اب تُم سے نہیں سہا جائے گا۔ جاؤ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو۔ سرکار تمہیں کالے پانی بھیج دے گی اور ہم یہاں تمہارے لئے دعا کریں گے۔ یہ کہہ کر رونے لگی۔ پھر میں بھی رونے لگا۔ پھر ہم سب مل کر رونے لگے اور اس طرح کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔ آخر ایک دن میری بیوی نے مجھے ایک نئی قمیص پہنائی۔ میرے سفید بالوں میں کنگھی کی۔ خود اپنے ہاتھ سے مجھے پراٹھے کھلائے۔ اور پھر مجھے خود بازار کے چوک تک چھوڑ گئی لیکن اس دن بھی میری ہمت نہ بندھ سکی۔ اور میں واپس چلا گیا۔

آفیسر۔ میں پوچھتا ہوں بھلے مانس یہ واقعہ کب ہوا تھا وہ کون شخص تھا یہ سب کچھ کیسے ہوا۔؟

دولا۔ اب تو مجھے اچھی طرح یاد نہیں بیس بائیس سال سے اوپر ہی ہوئے ہوں گے

آفیسر۔ تو پھر تم یہاں کیوں آئے ہو؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ چار ٹرنک قتل کے مقدمات کی فائلوں سے بھرے پڑے ہیں مجھے یہ فرصت نہیں کہ بائیس برس کے پرانے اور گڑے مردوں کو اکھاڑتا پھروں۔ ڈوگر سنگھ اسے

باہر نکال دو۔ دیکھو میاں دولے شاہ اس بکواس کو بند کرو اور جاؤ خاموشی سے دکان پر سبزی بیچو۔

دولا۔ میں سبزی نہیں بیچنا چاہتا۔ میں کالے پانی جانا چاہتا ہوں۔ میرا جسم پھنک رہا ہے۔ میرے دل میں آگ سی لگی ہوئی ہے۔ مجھے کوڑوں سے مارو۔ مجھے رسّوں سے باندھ کر جکڑ لو۔ مجھے جیل میں ڈال دو۔ میرے سر کی حجامت کر دو۔ خدا کے لئے مجھے واپس اپنی بیوی کے پاس نہ بھیجو۔

آفیسر۔ اُٹھو۔ اٹھو میرے قدموں پر نہ گرو۔ یہاں سے فوراً نو دو گیارہ ہو جاؤ۔ بائیس سال کا پرانا کیس ہونہہ۔

دولے شاہ۔ میں خونی ہوں۔

آفیسر۔ اپنے گھر جاؤ میں کیا کر سکتا ہوں۔

دولے شاہ۔ میں نہیں جاؤں گا۔ میں جیل جانا چاہتا ہوں۔ مجھے حراست میں لے لو۔ مجھے رسّوں سے جکڑ لو۔ میری حجامت کر ڈالو۔

ڈوگر سنگھ۔ یس حضور یہ اسی طرح سڑک کے بیچ

آفیسر۔ ہاں ․․․․ ہاں میں اسے سڑک کے درمیان کھڑا ہو کر چلانے کا مزہ چکھاؤں گا۔ میں اسے وہ سبق دوں گا کہ ہمیشہ یاد رکھے گا۔ میں

دولا۔ تمہاری ہمت ہی نہیں ہو سکتی کہ تم ایسا کرو۔ مجھے حراست میں لے لو۔

نہیں تو میں تمہاری شکایت کرونگا۔ تم مجھ سے کوئی خلاف قانون سلوک نہیں کر سکتے۔ میں اپنے بیوی بچوں سے آخری بار مل کر آیا ہوں۔ میری حجامت کر ڈالو نہیں تو میں تمہاری شکایت کروں گا۔ کیا تم نہیں سمجھتے کہ میرا ضمیر مجھے کتنی ملامت کر رہا ہے۔

آفیسر۔ ملامت، سنا! ڈوگرہ سنگھ تم نے سنا؟ ہم ان لوگوں کو مدت سے ڈھونڈ رہے ہیں۔ یہ دیکھو چار ٹرنک نئے مقدمات سے بھرے پڑے ہیں۔ خاص سٹاف اس کام کے لئے تعینات کیا گیا ہے۔ اور کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اتنا عرصہ یہ بدمعاش چھپا رہا۔ اور اس کے ضمیر نے اسے ایک بار بھی ملامت نہ کی۔ اب یکایک یہ سڑک کے درمیان کھڑا ہو کر چلانے لگتا ہے۔ ہائے میرا ضمیر مجھے باندھ لو۔ یہاں ہم نئے مقدمات کی تفتیش میں اپنے ہوش و حواس بھلائے بیٹھے ہیں۔ اور اب یہ کم بخت بائیس برس کے پرانے مردے اکھاڑنا چاہتا ہے۔ دفع ہو یہاں سے بدمعاش کہیں کا۔ کالا پانی تیرے جیسے بدمعاشوں کے لئے نہیں ہے۔

دولے شاہ۔ میں کالے پانی جانا چاہتا ہوں۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ میری زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔ خدا کے لئے مجھے اپنی جیل میں ایک تھوڑی سی جگہ دے دو میرے بھائی میں اقبال کرتا ہوں کہ میں نے ایک آدمی

کا خون کیا ہے خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ مجھے قید کر دو۔ میری پیٹھ پر
کوڑے لگاؤ۔ میرے سر کی حجامت کر ڈالو۔

آفیسر۔ بکتے ہو تم۔ کیا تم نے مجھے کوئی نائی سمجھ رکھا ہے۔ ڈوگر سنگھ۔
عبدالرحمٰن۔ رؤف شاہ، پیراندتہ۔ نکالو اس حرامزادے کو۔

دولا شاہ۔ میں نہیں جاؤں گا۔ تمہیں قید کرنا ہوگا۔ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں
ڈالنی ہوں گی۔ میرے سر کی حجامت کرنا ہوگی۔

آفیسر۔ نکالو۔ نکالو اسے باہر۔

(سیڑھیوں پر قدموں کی آواز۔ تین چار آدمی اندر داخل ہوتے ہیں)

ایک آدمی۔ وہ رہا پاگل! پاگل! پکڑو اسے (پولیس آفیسر سے) حضور یہ پاگل
پاگل خانے سے کئی روز سے بھاگا ہوا تھا ہمیں پتہ چلا کہ ادھر ——

ڈوگر سنگھ۔ جی ہاں حضور میں نے اسے پکڑ لیا۔ بات یہ ہوئی کہ میں
ڈیوٹی پر تھا۔ اور یہ شخص میرے قریب آکر سڑک کے درمیان کھڑا ہو کر
چلانے لگا ——

پولیس افسر۔ بکو مت۔

(پردہ)

بیکاری

(ایک ایکٹ کا ڈرامہ)

بیکاری

پہلی بار — لاہور، اکتوبر ۱۹۳۷ء

افرادِ ڈرامہ اور اداکار

بھیالال	کنہیالال
شیام سندر	کے سی
اظہر	چترنج
سپاہی	چودھری

بیکاری

(ہندو ہوسٹل میں ۴۴ نمبر کا کمرہ، گندہ، خاک آلودہ، دو چارپائیوں پر میلے بستر، ایک میز پر بہت سی کتابیں سیگرٹوں کا ڈبہ، قلمدان اور تھوڑی سی نقدی ایک چارپائی پر شیام سندر بال بکھرے غمگین صورت بنائے بیٹھا ہے اور سیگرٹ کے کش لگا کر دھوئیں کے مرغولے سے ہوا میں چھوڑ رہا ہے۔ یکایک دروازے سے بھیّا لال داخل ہوتا ہے۔ لمبا، دبلا پتلا جوان ہے، گال اندر پچکے ہوئے، زرد رُو، ایم اے پاس)

بھیّا لال (چارپائی پر بیٹھ کر) آج وہ بدلہ لیا کہ وہ بھی ساری عمر یاد ہی رکھے گی۔ یہ اونچے طبقے کے لوگ نہ جانے کیوں ہمیں کیڑوں مکوڑوں سے بھی بدتر خیال کرتے ہیں۔

شیام سندر (ایک حزین مسکراہٹ کیساتھ) کیا بات ہوئی، کس سے بدلہ لیا، وہ بدقسمت کون ہے؟

بھیّا لال۔ وہی تو ہے ڈاکٹر گھنشیام لال کی بیوی جمنا، وہ مگر تم اُسے نہیں جانتے، موٹی سانولی سی ہے۔ دو بچے ہو جانے پر بھی ایف۔ اے میں پڑھتی ہے۔ میں آج تین مہینے سے اُسے تواریخ پڑھا رہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ عورتوں کو تواریخ کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں تو چولہا چاہئے۔ خیر ہمیں تو اپنے پیسوں سے کام ہے۔ دو گھنٹے پڑھاتا ہوں، پندرہ روپے ملتے ہیں۔

شیام سندر۔ غنیمت جانو!

بھیا لال۔ (ایک نقلی آہ بھر کر) ٹھیک ہے، مگر ..... میری شکل و صورت ..

..... میں اسی بارے میں تم سے مشورہ کرنے آیا تھا کہ .....

شیام سندر۔ (بات کاٹ کر) مگر تم سے کس مسخرے نے کہہ دیا کہ میں حُسن کا جراح ہوں۔

بھیا لال (بات اَن سُنی کر کے) اوہ! میں اپنی صورت کو کیا کہوں۔ میلا رنگ قدرتی طور پر زرد ہے جس سے ہر شخص کو مجھ پر تپدق کا مریض ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ اب بتاؤ میں کیا کروں۔ جس دن سنڈے ٹائمز میں اشتہار دیکھا، اسی دن عرضی لیکر ڈاکٹر گھنشیام لال کے پاس چلا گیا وہ تو وہاں نہیں تھا، اور آخر پڑھنا بھی تو اس کی بیوی ہی کو تھا۔ مجھے دیکھتے ہی گھبرا گئی۔ کہنے لگی "آپ کچھ بیمار تو نہیں رہے"؟ اور یہ اس نے کچھ ایسے ہمدردانہ لہجہ میں پوچھا کہ مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔ جھوٹ موٹ کہہ دیا۔ "جی ہاں" وہ اس پر کچھ گھبرا سی گئی۔ رُکتے رُکتے بولی۔ "اوہ ..... آپ ..... آپ کو کیا بیماری تھی" میں نے ایک قدم اُس کے قریب بڑھ کر کہا۔ "تپ ..... محرقہ، ٹائیفائڈ" وہ یہ سُن کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ کہنے لگی۔ "تپ محرقہ"! گویا اُسے اب بھی یقین نہیں آتا تھا کہ میرے جیسا متین صورت بھی کبھی تپ محرقہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ میں نے سوچا، بچاری نہایت ہمدرد اور غریب نواز معلوم ہوتی ہے، آؤ لگے ہاتھوں اس کا فائدہ اٹھالیں۔ چنانچہ میں نے اور بھی

مسکین بن کر کہا جی ہاں ٹائیفائڈ پچھلے چار مہینے بستر پہ پڑا رہا ہوں، اب کہیں جا کر افاقہ ہوا ہے۔ آپ کا اشتہار پڑھا کہ آپ کو ایک استاد کی ضرورت ہے جو دو گھنٹے روزانہ تواریخ کا درس دے سکے، اسی لئے حاضر ہوا ہوں فیس وغیرہ طے کر لیجئے، یہ رہے سرٹیفکیٹ باقی رہی ذہنی قابلیت تو اس کے لئے میرا صرف یہی کہہ دینا۔"

مگر وہ جلد ہی بیچ میں بول اُٹھی "نہیں نہیں"۔ اس نے پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ اتنی جلدی کیا پڑی ہے۔ آپ کو کم از کم دو تین ہفتے آرام کرنا چاہیئے سا آپ...... آپ دو تین ہفتوں کے بعد ضرور تشریف لائیے"۔

"اے خیالِ یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا ـــــ میں نے اپنے آپ کو بہت بہت کوسا مگر اب لکیر پیٹنے سے کیا ہوتا تھا۔ ناچار واپس چلا آیا اور پھر دوسرے دن ڈاکٹر گھنشیام لال کے ایک جگری دوست سے سفارش بہم پہنچائی۔"

"مگر وہ تو بیمار معلوم ہوتے تھے" ڈاکٹر کی بیوی نے سفارش کے جواب میں کہا، انہوں نے مجھے خود بتایا کہ انہیں تپ محرقہ تھا۔"

میری سفارش کرنے والے نے ہنس کر کہا میں نے تو اُسے آج تک کبھی بیمار ہی نہیں دیکھا۔ اُس بچارے کی شکل ہی ایسی ہے" ـــــ "اور یہ ہے بھی ٹھیک ـــــ "میں اُسے مدت سے جانتا ہوں" ـــــ

یہ بھی ٹھیک تھا ـــــ

تو اب تو تین مہینے سے اُسے پڑھا رہا ہوں ۔ بالکل کوڑ مغز ہے ۔ دل میں مدت سے کسک تھی کہ اس سے بدلہ لوں ۔ سو آج موقع مل گیا۔"

شیام سندر ۔ کیا ہوا؟

بھیّا لال ۔ (جیسے اُس نے سوال کو سُنا ہی نہیں) یُوں تو اس میں اب مجھے بھی کچھ شک نہیں کہ صورت سے میں تپ دق کا مریض دکھائی دیتا ہوں ۔ مگر کیا تم نے وہ انگریزی ضرب المثل نہیں سُنی کہ "صورتیں اکثر دھوکا دیتی ہیں"۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں پانچویں جماعت میں تھا اس وقت بھی ایسا ہی دُبلا پتلا تھا ۔ اور جماعت میں ہمیشہ ہر مضمون میں اول رہا کرتا تھا چنانچہ حسبِ عادت پانچویں جماعت میں بھی اول ہی رہا جب سالانہ جلسہ پر انعام تقسیم ہونے لگے تو میرے حصہ میں بہت سے انعام آئے ۔ اُن دنوں میری جماعت میں ایک اور لڑکا بشن داس بھی پڑھا کرتا تھا ۔ نہایت خوبصورت ۔ وجیہہ ، توانا تھا ۔ نہایت اچھا گلا پایا تھا کمبخت نے ۔ اُسے بھی موسیقی میں اول رہنے پر تمغہ ملا ۔ مجھے یاد ہے ۔ وہ مجھے "تپدق" کہا کرتا تھا ۔ اُس دن جلسہ پر اُس کی خوبصورت بہنیں آئی ہوئی تھیں اور میری دُبلی پتلی بہنیں بھی ۔ اور جب میں بہت سے انعام سمیٹ کر لے گیا تو بشن داس کی بہنوں نے میری بہنوں کو اونچی آواز میں سُنا کر کہا ۔ آہ بچارا بھیّا لال ۔ یہ سب انعام اُس کے کس کام کے جب کہ اُسے تپدق ہے !" مجھے یاد ہے میری بہنوں نے بہت

بُرا مانا تھا۔ مگر قسمت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو میں ابھی تک زندہ سلامت ہوں اور بیچارا شکیل وتوانائش داس دو سال ہوئے تپ دق سے بیمار ہو کر چل بسا آہ صورتیں کس قدر دھوکا دیتی ہیں۔ وہ بہت اچھا آدمی تھا اور جب کبھی میں پچھلے سالوں میں اپنے گاؤں گیا ہوں۔ وہ ہمیشہ مجھ سے میری صحت، میری کھانسی، میری حرارتِ غریزی کے متعلق سوال کیا کرتا تھا اور یہ سوال تو پہر اُلو کا پٹھا جو مجھے دیکھ لے ایک دم سے جڑ دیتا ہے، مثلاً اگر میں کسی ڈاکٹر کے پاس چلا جاؤں اور اس سے کہوں کہ مجھے خفیف سی کھانسی ہے تو وہ میری شکل دیکھ کر بے اختیار کہہ اٹھتا ہے:-

"آپ کو رات کو پسینہ تو نہیں آتا؟"

"جی نہیں، البتہ دن کو ضرور آتا ہے خصوصاً جب کہ میں ورزش کرتا ہوں۔"

"کیا آپ کو کھانسی کے ساتھ خون بھی آتا ہے؟"

"نہیں جی، خون تو نہیں مگر بلغم ضرور نکلتا ہے۔"

"اوہ ——— بخار؟"

"ابھی تک تو نہیں ——— لیکن اگر آپ کے سوالوں کی یہی رفتار رہی تو عین ممکن ہے کہ جلد ہی ———"

ڈاکٹر (قطع کلام کر کے) آپ کمرے سے باہر تشریف لے جائیے۔

بس تقریباً جس ڈاکٹر کے پاس جاؤ یہی ہوتا ہے۔ اب میں صلاح کر رہا ہوں کہ ڈاکٹر یار محمد سے اپنی چھاتی اور پھیپھڑوں کا ایکسرے فوٹو گراف لے کر ہمیشہ پاس رکھوں۔ تاکہ جب کوئی نیا ڈاکٹر یا پرانا حکیم سوال کرے "آپ کو پسینہ تو نہیں آتا؟ خون نکلتا ہے؟ بخار کب سے ہے؟" تو جھٹ یہی ایکس رے فوٹو اس کے ہاتھ میں دے دوں اور کہوں بھلے مانس کل میں نے ذرا چار زیادہ کھا لیا تھا۔ اس لئے صرف کھانسی کی دوا چاہیئے۔

شیام سندر۔ نیک خیال ہے۔

بھیا لال۔ بچارے ڈاکٹر لوگ تو الگ رہے خود میرے استاد۔ کیا کہوں۔ بہت دنوں کی بات ہے میں اُن دنوں نئی نئی ورزشیں سیکھ رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ اپنے نحیف جسم کو فربہ بناؤں۔ اور چہرے کی زرد زرد رنگت کو گلاب کی سرخی میں تبدیل کر لوں۔ چنانچہ خوب ڈنڈ پیلتا تھا۔ اور دودھ پیتا تھا۔ تین چار مہینے یہی کیفیت رہی اس کے بعد ہمارا جغرافیہ کا ٹیچر جو ساڑھے تین مہینے کی چھٹی لیکر اپنی لڑکی کا بیاہ کرنے کے لئے حیدرآباد گیا ہوا تھا۔ واپس آگیا اور مجھے پلے گراؤنڈ کے قریب ملا۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا۔ "او تم تو بہت کمزور ہو گئے ہو۔ کیا بیمار ہو گئے تھے؟" میں نے دل میں سوچا بیمار تو نہیں رہا۔ البتہ ورزش ضرور کرتا رہا ہوں۔ اُس دن سے لے کر آج تک میں نے پھر کبھی ورزش نہیں کی بھلا ورزش کا فائدہ ہی کیا

ہے، جب یہ دوسروں کو مغالطہ میں ڈال دے۔ اور پھر مفت میں اپنے جسم کو تکلیف دینا قید با مشقت نہیں تو اور کیا ہے؟

شیام سندر: نہیں آپ ورزش سے اپنے جسم کو صحت ور بنا سکتے ہیں ورزش سے جسم میں چستی آتی ہے، بہت ہلکا پھلکا ——

بھیّالال: مجھے بناتے ہو، شیام سندر؟ تیسری جماعت کا سبق دُہرا رہے ہو۔ اس میں تو اور بھی کئی نکمّی اور جھوٹی باتیں لکھی ہیں، مثلاً "ورزش نہایت اچھی ہوتی ہے۔ جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ دیانت داری بڑی نعمت ہے۔ دوسرے کی چیز پر نگاہ نہ ڈالو" سب بکواس، سفید جھوٹ!

شیام سندر: تم ڈاکٹر گھنشیام لال کی بیوی کا ذکر کر رہے تھے۔ جسے تم پڑھاتے رہے ہو۔

بھیّالال: ہاں میں جمنا کا ذکر رہا تھا، مگر تم نے کبھی سوچا کہ میری بدصورتی میں میرا کتنا قصور ہے۔ میرے ماں باپ بھی ایسے ہی تھے، قصور تو ان کا ہے کہ اپنی بدصورتی کو جانتے ہوئے بھی مجھے جنم دیا۔

شیام سندر: یہ تو محض "حُسنِ اتفاق" تھا۔

بھیّالال: مجھے تو اس میں خاک "حُسنِ اتفاق" بھی نظر نہیں آتا اور یوں دیکھا جائے تو اس میں قباحت ہی کیا ہے۔ ذرا خیال تو کرو قدرت نے دو کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں نتھنوں اور ہونٹوں کے مجموعہ سے انسانوں کے کتنے نمونے ایجاد کیے ہیں کہ

ایک کی شکل دوسرے سے نہیں ملتی۔ بجائے اس کے کہ قدرت کی طباعی اور فنکاری کی داد دی جائے لوگ مجھ پر ہنستے ہیں کتنی بے وقوفی ہے۔ آج انسانوں میں کوئی بڑے سے بڑا آرٹسٹ قدرت کے اس شاندار تنوع کی ایک مثال پیدا کر دے تو میں جانوں!

شیام سندر۔ بے شک، مگر وہ ڈاکٹر کی بیوی!——

بھیّا لال۔ ارے بھائی اب اس کی بیوی کی کونسی بات رہ گئی ہیں لئے تین مہینہ سے پڑھا رہا ہوں۔ اور اس عرصہ میں وہ کوئی پندرہ بار بیمار پڑی ہوگی اور کوئی دس بار ہی اس کے ڈاکٹر خاوند کو موسمی بخار کا شکار ہونا پڑا ہے۔ کبھی دیکھو تو سر درد ہے۔ کبھی پیٹ میں کبھی بخار کبھی نزلہ اور مجھے دیکھو تو ان تین مہینوں میں ایک چھینک بھی نہیں آئی۔ آج میں جب پڑھانے کے لئے گیا تو کل کی طرح پھر کہنے لگی۔ "مجھے زکام کی شکایت ہے" میں نے کہا۔ آپ کی بھی عجیب صحت ہے آپ ڈاکٹر لوگ جب پرہیز نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ مجھے دیکھئے اپنی صحت کا خیال رکھتا ہوں۔ کبھی کوئی تکلیف نہیں ہونے پاتی۔

شیام سندر۔ خوب بدلہ لیا۔

(ناظر کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ درمیانہ قد۔ دہرے بدن کا جوان ہے۔ نیلا سوٹ پہن رکھا ہے۔ ہاتھ میں ایک تار ہے)

اظہر۔ ہیلو شیام! ہیلو تیپ دق!

شیام سندر، بھیّالال۔ ہیلو اظہر! یہ تار کیسا ہے؟

اظہر۔ امجد نے بھیجا ہے، لکھا ہے کہ "بی۔ ٹی" کی ڈگری مل گئی ہے۔ اور اب وہ الٰہ آباد جا رہا ہے۔ جہاں میونسپل سکول میں اُسے پینتیس روپے کی آسامی پیش کی گئی ہے۔

شیام سندر۔ مگر ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی اور صرف پینتیس۔

اظہر۔ میں اسے مبارکباد کا خط لکھ رہا ہوں۔ اس دورِ بے ماجنی میں تم اور کر بھی کیا سکتے ہو۔

بھیّالال۔ کل مجھے کیلاش ناتھ ملا تھا۔ وہ جو بی اے میں ہمارے ساتھ پڑھا کرتا تھا۔ اور فیل ہو گیا تھا۔ اب اپنے باپ کے کارخانے میں منیجر ہو گیا ہے۔ اپنی کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ میری طرف ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہنے لگا۔ "آج کل کیا کرتے ہو؟" ـــــ اور یہ وہی شخص ہے جو انگریزی کا "جواب مضمون" مجھ سے خوشامدیں کر کے ٹھیک کرایا کرتا تھا۔

شیام سندر۔ (اُداس لہجے میں) جانے دو۔ ان باتوں کو، مجھے مسعود کا فکر ہو رہا ہے تم جانتے ہو بیچارا دو مہینے سے میرے پاس رہتا ہے۔ مگر ابھی تک نوکری کہیں نہیں ملی۔ کل سے واپس نہیں آیا۔

اظہر۔ واپس گاؤں کو چلا گیا ہو گا۔

شیام سندر (رکتے ہوئے) شاید اگر اس کا ٹرنک اور بستر یہیں ہیں۔

بھیا لال۔ کوئی ضروری کام ہوگا۔ (زیادہ حوصلہ افزا لہجہ میں) شاید کوئی نوکری مل گئی ہو۔ اور آج تمہیں پتہ دینے کے لئے آجائے!

شیام سندر۔ (رکتے ہوئے) شاید!

اظہر۔ (سر ہلاتے ہوئے) کتنی بیکاری ہے! اور کتنی جہالت ہے؟ کل میں موتی ہال میں پروفیسر روچانند کا لیکچر سننے گیا۔ فاضل مقرر جو ایک روئی کے کارخانے میں تین سو حصوں کا مالک ہے۔ نہایت پرجوش لہجہ میں گریجویٹوں کی کم عقلی کا ماتم کر رہا تھا کہ موجودہ بے کاری اقتصادی نہیں بلکہ تعلیم یافتہ طبقہ کی آرام پسندی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اس نے چند نہایت دردمندانہ تجاویز سامعین کے سامنے پیش کیں۔ مثلاً یہ کہ گریجوایٹ چھوٹے موٹے کاروبار کو اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ بوٹ پالش کرنا، ایک تھوک فروش سے جوتے اُدھار لے کر گلیوں میں چکر لگا کر انہیں بیچنا، گھی کی دُکان کھولنا، مونگ پھلی کی تجارت۔

شیام سندر (تلخ لہجہ میں) چنا جور گرم!

بھیا لال۔ بے کاری دُور کرنے کے ایسے کئی گُر مجھے بھی یاد ہیں۔

اظہر۔ مثلاً

بھیا لال۔ (واسکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے) مثلاً تم اور شیام سندر انگریزی میں

اچھا لکھ سکتے ہو، ایک اخبار نکال لو۔

اظہر، شیام سندر۔ مگر روپیہ ——؟

بھیالال۔ اچھا کچھ اور سہی۔ ایک عمدہ سا ہوٹل کھول لو، نفیس کمرے، عمدہ کھانے، تھوڑا کرایہ، واجبی نرخ۔

شیام۔ اظہر۔ مگر روپیہ ——؟

بھیّالال۔ (ہنس کر اور واسکٹ کی جیب سے ہاتھ نکالتے ہوئے) اچھا یہ بھی نہ سہی لو اب میں تمہیں ایک ایسا گر بتاتا ہوں جو کبھی خطا نہیں ہو سکتا۔

شیام سندر۔ وہ کیا ہے؟

بھیالال۔ عورت!

شیام سندر۔ عورت؟

بھیالال۔ ہاں، ہاں، عورت، ایک عورت کا انتخاب کر لو جو نہایت جاہل ہو، اور ایک نہایت مالدار آدمی کی اکلوتی بیٹی ہو۔

شیام سندر۔ پھر؟

بھیّالال۔ پھر اُس سے شادی کر لو۔

اظہر۔ بھئی کیا خوب، تم تو تواریخ جاننے کے علاوہ عقل مند بھی ہو۔

شیام سندر (دونوں آنکھیں میچ کر) ہوں —— ہوں!

اظہر۔ بھیالال۔ "ہوں۔ ہوں" کا کیا مطلب؟
شیام سندر۔ (آنکھیں بند کئے ہوئے) ایک ایسی عورت بالکل میری نگاہ میں ہے۔
بھیالال۔ (گہری دلچسپی سے) کیا وہ ایک مالدار آدمی کی لڑکی ہے؟
شیام سندر۔ (سر ہلاتا ہے) ہاں تو ــــ
بھیالال۔ اور ــــ اور ــــ اکلوتی لڑکی؟
شیام سندر۔ ہاں، اکلوتی بیٹی، بالکل اکلوتی۔
بھیالال۔ ارے یار، بتاؤ اُس کی شکل کیسی ہے؟ خوبصورت ہوگی۔؟
شیام سندر۔ وہ نہایت خوبصورت ہے حسین، جیسے چاند کی کرن، نازک جیسے کنول کی پتی، حیادار جیسے لاجونتی کی ڈالی۔ بس کامنی سی مورت ہے۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور اس کا مالدار باپ اپنی ساری دولت مجھے جہیز میں دے دینا چاہتا ہے۔
بھیالال (بہت دلچسپی اور رشک و حسد کے ساتھ) ارے بتاؤ وہ کون ہے! کہاں رہتی ہے۔ اُس کا نام کیا ہے۔؟
شیام سندر (یکایک آنکھیں کھول کر) اوہ وہ کدھر چلی گئی! وہ کون تھی؟ اُس کا نام کیا تھا۔
(شیام سندر، اظہر، بھیالال تینوں یکایک قہقہہ لگاکر ہنستے ہیں۔ اور ایک

دو منٹ تک ہنستے رہتے ہیں)

(ایک باوردی پولیس کا سپاہی آتا ہے)

سپاہی۔ آپ میں سے شیام سندر کون ہے؟

(شیام سندر اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے)

سپاہی۔ (ایک لفافہ آگے بڑھاتے ہوئے) سول ہسپتال میں چل کر ایک لاش کو شناخت کر لیجئے۔ وہ ریل گاڑی کے نیچے آ کر مر گیا ہے اس کی جیب سے آپ کا پتہ نکلا ہے۔

شیام سندر۔ مسعود ——— آہ! (اپنے ہاتھوں کو منہ سے چھپا لیتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

نیل کنٹھ

نیل کنٹھ

پہلی بار — دہلی ۲۴ر فروری ۱۹۴۱ء

ڈرامے کے کردار اور اداکار

کورس	فیروز نظامی
شوجی	آر۔ این۔ مہرہ
پاربتی	مسز کنتل گکریجہ
جگیاسو	شوسرن سنگھ ٹھاکر
ایک آوارہ	اے۔ آر۔ ریحان۔
پجاری	رندھیر سنگھ

گداگر، جیب کترے اور ساہوکار وغیرہ

پس منظر	فیروز نظامی

منظرِ اوّل

پردہ اٹھتا ہے تو کیلاش پربت کی چوٹی دکھائی دیتی ہے۔ ایک اونچے تخت پر شوجی مہاراج اور پاربتی بیٹھے ہیں۔ پاؤں میں نندی بیل اونگھ رہا ہے۔ سٹیج پر صبح کاذب کی سی روشنی چھائی ہوئی ہے۔ برف کے لطیف گلّے آہستہ آہستہ سٹیج پر گر رہے ہیں پس منظر موسیقی آہستہ آہستہ بلند ہوتی ہے۔ اور کورس جو پانچ دیو داسیوں پر مشتمل ہے۔ شوجی مہاراج اور کیلاش پربت کی تعریف میں ایک گیت گاتا ہے۔ یہ دیو داسیاں سٹیج کے دائیں اور بائیں دونوں طرفوں سے داخل ہو کر ناچتی آتی ہیں۔ اور سٹیج کے مرکز میں آ کر شوجی مہاراج کو پرنام کر کے اُن کے تخت کے گرد ایک ہالہ سا بنا کر پھر واپس مرکز کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔ اور پھر چند منٹ تک ناچتی اور گیت گاتی رہتی ہیں (اگر کورس کے لئے پانچ دیو داسیاں نہ مل سکیں تو ایک بھاری سی آواز والا مرد کورس کا کام سر انجام دے سکتا ہے)

کورس

کیلاش کے اونچے پربت پر
شو شنبھو جی کی بستی میں
اک کیف ہے اک سرمستی ہے
اور نیلے امبر پر
مست اور رسیلے بادل ہیں
اودے اور لال گھٹائیں ہیں
کالے اور نیلے بادل ہیں
کیلاش کے اونچے پربت پر

(ناچ)

کیلاش کے اونچے پربت پر
تاریک اور سرد گپھاؤں میں
امرت کی دھارا بہتی ہے
اور برف میں ڈوبی چوٹیوں پر
خاموشی چھائی رہتی ہے

کیلاش کے اونچے پربت پر

(ناچ)

کیلاش کے اونچے پربت پر
شوجی مہاراج کا ڈیرا ہے
پران کے تیج اور ساہس نے
تینوں لوکوں کو گھیرا ہے
لپٹے ہیں ناگ بھجاؤں سے
بہتی ہے گنگ جٹاؤں سے
مست اور رسیلی آنکھیں ہیں
سُرخ اور نشیلی آنکھیں ہیں
یہ پاربتی کے سوامی ہیں
نر انتر انتریامی ہیں
کیلاش کے اونچے پربت پر

(تیز ناچ)

کیلاش کے اونچے پربت پر
ہر جانب ہے طوفان بپا

ہے تیز ہوا سے شور مچا

ہر ذرّہ خوف سے لرزاں ہے

پر شو جی کا لب خنداں ہے

کیلاش کے اونچے پربت پر

دیوداسیاں گاتی ہوئی اور ناچتی ہوئی شو جی کو پرنام کر کے رخصت ہو جاتی ہیں۔ شو جی مہاراج کے چہرے کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ ہنسی میں تبدیل ہو جاتی ہے نندی بیل کان کھڑے کر لیتا ہے اور نتھنوں سے ہوا کو سونگھتا ہے

پاربتی۔ مہاراج یہ کیسی ہنسی؟

شو جی۔ کچھ نہیں پر یہ۔

پاربتی۔ کچھ تو ہے مہاراج۔ یہ آپ کی ہنسی کہے دیتی ہے کہ کہیں کوئی عجیب بات ضرور ہو رہی ہے۔

شو جی۔ عجیب بات! اس مستک کی آنکھ سے اوجھل کیا عجیب بات ہو گی۔

پاربتی۔ پھر کیا بھید ہے مہاراج! بتایئے تو سہی۔

شو جی۔ پاربتی تم تو یونہی کوئی بات لے کر پیچھے پڑ جاتی ہو۔

پاربتی۔ میں تو پوچھ کر رہوں گی۔

شو جی۔ تو سنو۔

(وقفہ)

پاربتی۔ کہئے! آپ تو خاموش ہو گئے۔

شوجی۔ میں خاموش سہی لیکن سنسار تو بول رہا ہے۔ تمہارے کان کیا سُن رہے ہیں

(طوفان کی گرج)

پاربتی۔ کچھ بھی تو نہیں۔ وہی ہوا کی تیزی ہے اور برف کا طوفان۔ کیلاش پربت کا پرانا رنگ جو ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔

شوجی۔ (طنزیہ انداز میں) جہاں مہادیو ہیں وہاں موت اور طوفان کا راگ سنائی دیتا ہے۔ یہ تو کوئی عجیب بات نہ ہوئی پاربتی۔

(طنزیہ ہنسی)

پاربتی۔ (رُوٹھنے کے انداز میں) آپ مجھے یوں ہی تنگ کرتے ہیں بتاتے کیوں نہیں آپ!

شوجی۔ (سنجیدہ ہو کر) تو سُنو پریہ۔

پاربتی۔ سنائیے!

شوجی۔ میری آواز کو نہ سنو سنسار کی آواز پہچانو۔ کیا اس اندھے طوفان کے حراؤں میں تمہیں کوئی اور آواز نہیں سنائی دیتی؟

(طوفان کی گرج۔ دُور سے ہر ہر مہادیو کی آواز آتی ہے)

پاربتی۔ طوفان کے بھیانک بھنوروں میں گویا ایک نقطہ ایسا ہے جس کے محور پر یہ

سارا طوفان چکر لگا رہا ہے۔ اور یہ نام آپ کا ہے۔

(پس منظر میں ہر ہر مہادیو کی آواز برابر سنائی دیتی ہے)

نہیں نہیں۔ یہ تو کوئی بھولا بھٹکا راہی ہے۔ اس طوفان کے مہیب گرداب میں پھنس گیا ہے اور آپ کو مدد کے لئے پکار رہا ہے (مضطرب ہو کر) مہاراج آپ سُن رہے ہیں اسے! ...... مہاراج اس کی مدد کیجئے۔ مہاراج اسے بچائیے۔ یہ آپ کا بھگت ہے۔

شوجی۔ تم بھولتی ہو۔ اسے میری مدد کی ضرورت نہیں۔ یہ بھٹکا ہوا راہی نہیں ہے۔ یہ ایک بوڑھا تپسوی ہے جو بہت مدت سے تپسیا کر رہا ہے۔ اسے اپنی تپسیا پر بڑا ابھیمان ہے۔

پاربتی۔ لیکن مہاراج یہ تو آپ کو پکار رہا ہے۔

شوجی۔ پریہ۔ یہ ہماری استتی نہیں کر رہا بلکہ ہمارا نام لے کر اس کے سہارے اپنے آپ کو اونچا کرنا چاہتا ہے۔ اس کا دل ابھی خواہشوں سے خالی نہیں ہوا

پاربتی۔ یہ کیا چاہتا ہے مہاراج؟

(ہر ہر مہادیو کی آواز قریب آتی جاتی ہے)

یہ آواز تو اب نزدیک آ رہی ہے۔

شوجی۔ یہ اسی تپسوی کی آواز ہے۔ اس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ شو روپ ضرور دیکھے گا۔

پاربتی۔ شو رُوپ؟ ——— لیکن مہاراج شو روپ تو آج تک کوئی نہیں دیکھ سکا۔

شوجی۔ ہاں لیکن وہ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ وراٹ درشن کرنا چاہتا ہے زندگی کی حرکت میں جو شکتی چھپی ہوئی ہے۔ اسے انسانی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اُس نظر نہ آنے والے منبع کو دیکھنے کا متلاشی ہے جہاں سے جیون کی دھارا پھوٹتی ہے اور آکاش اور پرتھوی دونوں کو اپنی بہتی ہوئی جوالا سے منور کر دیتی ہے۔ وہ اس پوتر وستر کو تار تار کر دینا چاہتا ہے جو جیون کے آخری بھید کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے۔

پاربتی۔ وہ ایسا کیوں کرنا چاہتا ہے؟

شوجی۔ صرف اس لئے کہ وہ کل سنسار کا بھید پا کر اس برہمانڈ پر راج کرے۔

پاربتی۔ راج کا لوبھ

شوجی۔ اُس نے اس کے لئے کڑی تپسیا کی ہے۔ یہ اُسی تپ کا تیج ہے جو اُسے اس طوفان میں سیدھا راستہ دکھا رہا ہے۔ جو اسے کیلاش پربت کے شکھر تک کھینچ کر لا رہا ہے۔ وہ کیلاش پربت جہاں آج تک کسی منش کے قدم نہیں پہنچے، جہاں اوشا کی طرح پوتر برف ہے۔ اور جہاں ہمیشہ موت کا راگ سنائی دیتا ہے۔

پاربتی۔ بھگوان آپ کیا کریں گے؟ کیا برہمانڈ کا راج ایک آدمی کی مٹھی میں دے دیں گے۔

شوجی۔ اُسے ہمارے قدموں میں آنے دو۔
جگیاسو۔ ہر ہر مہادیو۔ جے مہادیو۔

(ونپسوی آکر شوجی کے قدموں میں جھک جاتا ہے)

شوجی۔ جگیاسو!
جگیاسو۔ مہادیو کی جے ہو
شوجی۔ جگیاسو ہم نے تمہاری کٹھور تپسیا دیکھی ہے۔ ہماچل کی ترائیوں میں۔ پہاڑوں کی گپھاؤں میں تم نے تاریکی۔ بھوک۔ پیاس۔ موہ۔ بھے سے جنگ کی ہے۔ اور اُن پر فتح پائی ہے۔ دھن ہو تم جگیاسو تمہاری ہمت بڑی تھی۔ تمہارا ارادہ پتھر کی چٹان کی طرح مضبوط تھا۔ بولو۔ کیا چاہتے ہو؟
جگیاسو۔ مہاراج میں آپ کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔
شوجی۔ دہنس کر) درشن تو تم نے کر لیے۔ تمہارا تپ تمہیں کیلاش کے آخری سشکھر تک کھینچ لایا۔ اب تم اور کیا چاہتے ہو؟
جگیاسو۔ نہیں مہاراج اس درشن سے میری پیاس ابھی نہیں مٹی ہیں تو ساکشات سوروپ دیکھنا چاہتا ہوں جس روپ میں آپ نظر آ رہے ہیں۔ اس روپ میں تو میں نے آپ کو کئی بار اپنی سمادھی میں دیکھا ہے۔ میں نے اپنی سمادھی میں سب دیوتاؤں کے درشن کئے ہیں اسروں اور راکششوں کی جنگ

دیکھی ہے۔ امرت کی کھوج میں دیوتاؤں کو سمندر بلوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور آپ کو وہ زہر کھاتے ہوئے دیکھا ہے جو امرت منتھن کے وقت سمندر کی جھاگ سے نکلا تھا۔ وہ زہر جسے کھانے سے ہر اک نے انکار کر دیا تھا۔ وہ زہر جو اگر سنسار میں پھیل جاتا تو جیون کی اٹوٹ دھارا ہمیشہ کے لئے سوکھ جاتی۔ مہاراج میں نے دیکھا کہ آپ نے وہ زہر اپنے گلے میں اتار لیا اور آپ کا کنٹھ نیلا ہو گیا۔ اور آپ کی جٹاؤں سے زندگی کی دھارا گنگا کی طرح پھوٹ نکلی۔ مہاراج آپ تو دھرتی پر جیون کو بچانے والے ہیں۔ میں نے آپ ہی کو دیکھنے کے لئے یہ کڑی تپسیا کی ہے اور میں نے آپ کو دیکھا بھی ہے۔ لیکن مہاراج یہ تو دیوتاؤں کا روپ ہے۔ میں اس سے بھی پرے جانا چاہتا ہوں اور سا کشات شو روپ ....

شوجی۔ جگیاسو میں تمہیں بچن دیتا ہوں۔ شو روپ کے سوا اور جو کچھ تمہیں چاہئے مانگ لو میں پورا کر دوں گا۔

جگیاسو۔ لیکن مہاراج مجھے تو شو روپ دیکھنے کی چاہ ہے۔

شوجی۔ سنو جگیاسو۔ شو روپ کو آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ اسے پانے کی خواہش اپنے دل سے نکال دو۔

جگیاسو۔ مہاراج۔ یہ داس اب آپ کے چرنوں تک آن پہنچا ہے۔ درشن کر کے ہی واپس جائے گا۔

شوجی۔ تم بہت ضدی ہو جگیاسو (وقفہ) اچھا تو دیکھو۔

(گرج۔ طوفان۔ موسیقی کا شور، سٹیج پر روشنی ایک شعلے کی طرح بھڑکی،

پھر دوسرے لمحے میں اندھیرا چھا جاتا ہے۔ پھر تیز روشنی ہوتی ہے۔ پھر

اندھیرا۔ شوجی مہاراج اپنے آسن پر نظر نہیں آتے پس منظر موسیقی تیز ہو جاتی ہے)

جگیاسو۔ مہاراج۔ مہاراج! آپ الوپ ہوئے جا رہے ہیں۔ اسی موت

کے راگ میں گم ہوتے جا رہے ہیں۔

شوجی۔ دیکھو۔ جگیاسو، دیکھو۔

جگیاسو۔ گنگا کی پھوٹتی ہوئی دھارا پھیلتی جا رہی ہے۔ ڈمرو کا شور بڑھتا جا

رہا ہے

مستک کی آنکھ کے لال ڈوروں سے جوالا نکل رہی ہے۔

شوجی۔ دیکھو جگیاسو۔ دیکھو۔

جگیاسو۔ گنگا دھارا نے سارے سنسار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

یہ مستک کی جوالا برہمانڈ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک

بھڑک رہی ہے۔ نور۔ چاروں طرف نور ہی نور

شوجی۔ دیکھو جگیاسو۔ دیکھو۔

جگیاسو۔ (مخوف لہجے میں) سارے برہمانڈ میں اب اس نور کے سوا اور

کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ نور کھڑکتا جا رہا ہے۔ گنگا کی دھارا میں اب بجلی کی سی تڑپ

اور لپک ہے۔ جیسے ایک تیز چمکتا ہوا خنجر...... (اپنی آنکھیں اپنے

ہاتھوں میں چھپا لیتا ہے) آہ!

شوجی۔ دیکھو۔ جگیاسو۔ دیکھو

(ایک دم تیز روشنی اور پھر سٹیج پر اندھیرا چھا جاتا ہے)

جگیاسو۔ (آنکھیں کھول کر کراہتے ہوئے) آہ.... میں اب کچھ نہیں دیکھ

سکتا۔ مہاراج یہ بجلی کی لپک میرے ہردے میں گڑ گئی ہے۔ یہ چمکتا

ہوا خنجر میری نگاہ میں کھب گیا ہے۔ مہاراج میں اب آپ کو نہیں دیکھ

سکتا۔ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا۔

شوجی۔ دیکھو جگیاسو۔ دیکھو۔

جگیاسو۔ تاریکی ہی تاریکی ہولناک بھیانک تاریکی۔ اس مہیب تاریکی کا سایہ

میری آتما پہ چھا گیا ہے۔ میرے کانوں میں موت کا راگ گونج رہا ہے

مہاراج آپ کہاں چلے گئے ہیں۔ مہاراج میں اب آپ کو نہیں دیکھ

سکتا۔ اب تو میں کسی چیز کو بھی دیکھ نہیں سکتا (دردناک لہجے میں)

میں اندھا ہو گیا مہاراج!

(موت کا راگ۔ طوفان۔ ڈمرو کی کھنک)

شو جی۔ (گونجدار آواز دور سے آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے) جگیاسو تو نے ان ہونی اور ناممکن بات کو چاہا تھا لیکن تجھ سے اس نور کی جھلک نہ سہاری گئی۔ تو نے جیون کے اس دست کو تار تار کر دینا چاہا تھا جس میں وہ آج تک چھپا رہا ہے۔ لیکن یاد رکھو تم اس برہمانڈ کے شو روپ کو کبھی نہیں دیکھ سکتے۔ تم بے شک اس کے پردے ہٹاتے جاؤ۔ ایک پردے کے بعد دوسرا پردہ۔ روشنی بڑھتی جائیگی لیکن آخری پردے کے ہٹنے سے پہلے ہی یہ جوالا تمہیں تاریکی کا وہ منظر دکھائے گی جس کے پار کسی منش کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ جگیاسو جاؤ۔ ایک بار پھر تپسیا کرو۔ تمہاری پہلی تپسیا ادھوری تھی

(طوفان کا شور اور موسیقی جیسے کوئی ہزاروں فٹ دور نیچے پھینکا جا رہا ہو۔ پھر موسیقی آہستہ آہستہ فضا میں گھل جاتی ہے اور سٹیج پر روشنی ہو جاتی ہے۔ جگیاسو غائب ہے اور شو جی مہاراج تخت پر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں)

پاربتی۔ (خوف زدہ لہجے میں) مہاراج یہ آپ نے کیا کیا!

شو جی۔ اب مجھ سے کیا پوچھتی ہو تم نے خود اپنی آنکھوں سے اس درشیہ کو دیکھا ہے۔ (وقفہ)

پاربتی۔ مہاراج کیا جیون کی کھوج بری ہے؟

شو جی۔ وہ جیون کی کھوج جو گپھاؤں میں بند رہ کر ڈھونڈی جائے پاپ ہے۔

پاربتی۔ تو پھر جیون کیا ہے!
شو جی۔ جیون کیا ہے! پاربتی تم ہر وقت اُلٹے سیدھے سوال کرتی رہتی ہو۔
پاربتی۔ مہاراج کیا آپ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے! اتنا آسان سوال ....
شو جی۔ پاربتی۔ اس مذاق کی بدولت تم کئی بار زک اٹھا چکی ہو۔
پاربتی۔ میں پوچھتی ہوں جیون کیا ہے! جیون کیا ہے؟ جیون کیا ہے! جب تک آپ بتائیں گے نہیں میں پوچھتی ہی چلی جاؤں گی۔
شو جی (زرک کر) سنو پریہ! آج ہم تمہیں منشوں کی ایک بستی میں لئے چلتے ہیں۔ آج شورانتری ہے۔ مندر کے باہر سڑک کے کنارے ہمیں بھیک مانگنے والوں کا لباس بدل کر اس سوال کا جواب تلاش کرنا ہوگا
پاربتی۔ ہمیں منظور ہے۔

(پردہ)

منظر دوم

قریب منظر میں شو مندر کی سڑک کا ایک حصہ، مرکز میں مندر کی سیڑھیاں اور اُس سے پرے مندر کا ایک حصہ نظر آتا ہے۔ سڑک پر گداگر بیٹھے ہیں اور مندر کی سیڑھیوں پر براہمن، آج شو راتری ہے اس لئے سڑک پر اور مندر کی سیڑھیوں پر جاتریوں کی بھیڑ ہے، لوگ آ جا رہے ہیں اسٹیج کے بالکل دائیں طرف قریب منظر میں شوجی اور پاربتی گداگروں کے بھیس بنائے کھڑے ہیں۔ سب سے الگ تھلگ۔

پہلا جیب کترا۔ جے مہادیو کی۔

دوسرا جیب کترا۔ جے مہادیو کی کہئے آج کیا حال رہا!

پہلا جیب کترا۔ بھئی آج تو بڑے مزے میں رہے۔ چار سیٹھوں کی جیب کاٹی ایک عورت کے کڑے۔ ایک کے لچھے (کھنکھناتا ہے) بولو شو شنبھو ہر کا سودا۔ ہر کا تنبور ہمارے لئے شو راتری تو اب کے بڑی اچھی رہی۔

دوسرا جیب کترا۔ ارے بھئی۔ ہم تو صبح سے گھات لگائے کھڑے ہیں۔ کوئی چڑیا تک پاس نہیں پھٹکی۔ کہیں داؤ نہیں چلا.... اور یہ بڑھیا اور بڈھا انہیں دیکھا کیسے مسکین بنے کھڑے ہیں۔ ذرا خیال رہے (آہستہ سے) اپنے

ہی بھائی بند ہوں گے۔

(قہقہہ۔ دونوں ہنستے ہوئے چلے جاتے ہیں)

شوجی۔ (رُک کر) دیکھا تو نے پاربتی۔ جیون کا ایک وست یہ بھی ہے (فوراً لہجہ بدل کر) بے چھا دیو کی، غریبوں پہ دیا کیجئے۔ ہم بڈھے ہیں۔ صبح سے بھوکے ہیں۔

پہلا گداگر۔ (شوجی کو گھورتے ہوئے) صبح سے بھوکے ہیں! کیسا گھن چکر ہے یہ بڈھا۔ ٹھیک طرح سے مانگنا بھی نہیں آتا۔

دوسرا گداگر۔ ہماری جیو کا بھی خراب کرتا ہے۔ ہمارے راستے میں آکر کھڑا ہو گیا ہے۔ کون سے ٹولے کے ہو تم؟ اس سے پہلے کہاں گداگری کرتے رہے ہو تم؟

شوجی۔ ہمارا کوئی ٹولہ نہیں ہے۔

پہلا گداگر۔ کیا کہا! کوئی ٹولہ نہیں! اور نہ گھر سے بھیک مانگنے کے لئے نکلے ہو ہا ہا ہا (دوسرے گداگر سے مخاطب ہو کر) ارے گھر کی میاں! نہیں دیکھو تو نہ اندھے نہ لنجے نہ لنگڑے۔ نہ اپاہج۔ ٹھیک طرح سے بول بھی تو نہیں سکتے اور بنتے ہیں بھک منگے (شوجی سے) میری طرف دیکھو۔ کیا تم ایسی آواز لگا سکتے ہو (لہجہ بدل کر) "ہائے مجھ گریب پر ترس کر جاؤ رے بابا" یہ ہے وہ آواز جو ایک مکھی چوس سیٹھ کی ہتھیلی بھی نرم کر دیتی ہے۔ "ہائے مجھ گریب پر ترس کر جاؤ رے بابا" ہوں تم کیا جانوں بھیک مانگنا کسے کہتے ہیں۔

(وقفہ - گداگر پرے چلے جاتے ہیں)

شو جی - پاربتی دیکھا تم نے جیون کا ایک یہ بھی وست ہے۔

(وقفہ)

پہلا ساہوکار - شو شنبھو سیٹھ صاحب شو شنبھو۔

دوسرا ساہوکار - جے مہادیو کی۔

پہلا ساہوکار - کہئے اتنے دن کہاں رہے؟

دوسرا ساہوکار - ایک قرقی کرانے کے لئے گاؤں چلا گیا تھا۔ آج
گھر پر شو پوجن تھا اس لئے لوٹنا پڑا۔

(دونوں ساہوکار باتیں کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں)

(وقفہ)

پہلا براہمن - جے مہادیو کی۔

دوسرا براہمن - آج تو پنڈت جی نیوتوں کی وہ بھرمار تھی کہ کھاتے کھاتے پیٹ
پھٹنے لگا۔

شو جی - جے مہادیو کی غریبوں پر دیا کیجئے۔ ہم بوڑھے ہیں صبح سے بھوکے ہیں۔

تیسرا براہمن - اس بوڑھے بڑھیا کو دیکھا تم نے۔ یہ کسان لوگ جب بوڑھے
ہو جاتے ہیں تو شہروں میں بھیک مانگنے کے لئے آجاتے ہیں۔

پہلا برہمن (نفرت سے سر ہلا کر شو شنبھو شو شنبھو شو شنبھو (چلے جاتے ہیں، سٹیج کی بتیاں آہستہ آہستہ گُل ہو جاتی ہیں)

(پردہ)

منظر سوم

تھوڑے عرصے کے بعد پردہ اُٹھتا ہے۔ سٹیج پر نیم تاریکی ہے۔ سڑک سنسان ہے مندر کی سیڑھیاں جاتریوں سے خالی۔ صرف مندر میں روشنی نظر آتی ہے سٹیج کے بائیں طرف ایک آوارہ پھٹے کپڑے پہنے آگ جلائے بیٹھا ہے۔

پاربتی (مضمحل لہجے میں) مہاراج۔ اب تو کھڑے کھڑے ٹانگیں بھی شل ہونے لگیں.... اُف جیون کے کتنے ہی رنگ دیکھے ہیں، آج مہاراج۔

مہاراج اس سنسار میں جھوٹ اور دھوکے کا نام ہی جیون ہے؟

شوجی۔ (حزیں انداز میں) مُنش مُنش کو کھائے جاتا ہے۔

(مندر کا پجاری دن بھر کی بھینٹ اپنے کندھوں پر لادے مندر کی سیڑھیوں پر سے اترتا ہے)

پاربتی (ہنس کر) مہاراج بھوک تو مجھے بہت لگ رہی ہے۔ اور ان آدمیوں کی باتیں سن کر خود میرا جی انہیں کھانے کو چاہتا ہے (ہنس کر) پر مہاراج اب یہاں کھڑے رہ کر کیا کیجئے گا۔ اب تو یہ سڑک بھی سنسان ہو گئی ہے اور وہ مندر کے پجاری بھی چلے آ رہے ہیں۔ دیکھئے کندھے چڑھاوے کے بوجھ سے جھکے ہوئے ہیں۔

شوجی۔ (گداگروں کے لہجہ میں) جے مہادیو کی۔ مہاراج ہم پر دیا کیجئے۔ ہم غریب پردیسی

ہیں بھوجن مانگتے ہیں۔ آپ کی کرپا سے رات کو ہمیں مندر کے دوار پر سو رہنے دیں۔

پجاری جی: (تنگ کر) پردیسی ہو یا تو ہم کیا کریں۔ کسی دھرم سالہ کی راہ دیکھو۔ یہاں راستہ روکے کیوں کھڑے ہو۔ دیکھو۔ دیکھو ہمیں چھونا نہیں۔ شو شنبھو، شو شنبھو کسی دھرم سالہ میں جا کر پڑ رہو۔ وہاں بھوجن بھی مل جائے گا اور سونے کے لئے جگہ بھی۔ اور دیکھو یہ مندر شو جی مہاراج کی پوجا کے لئے ہے۔ تم کو بھک منگوں کے سونے کے لئے۔ اگر تم نے یہاں پاؤں پسارنے کی کوشش کی تو جیل خانے میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ سنا تم نے۔ پولیس پکڑ کر لے جائے گی۔ شو شنبھو شو شنبھو کیسے کیسے مورکھوں سے پالا پڑتا ہے۔

(سر جھکائے آہستہ آہستہ چلا جاتا ہے)

شو جی: (حزیں آواز میں) چلا گیا۔ ہمارا سب سے بڑا پجاری چلا گیا۔ پاربتی تم نے جیون دیکھا

پاربتی: (دکھ بھرے لہجے میں) مہاراج کتنی بدصورت ہے یہ زندگی۔ کتنا بھیانک ہے یہ چیز۔ کتنا دکھ دائک ہے یہ جیون۔ مہاراج ان لوگوں کی آتمائیں اندھی ہو چکی ہیں۔ ان کے دل پاپ سے تاریک ہو چکے ہیں۔ ان کے چہرے جھوٹ، مکر اور فریب سے پیلے ہوئے ہیں (آبدیدہ ہو کر) مہاراج کیا انہی لوگوں کے لئے آپ نے زہر کا پیالہ پیا تھا۔

(آدارہ جو ابھی ابھی آگ تاپ رہا تھا یکایک ایک چیخ مار کر اچھل پڑتا ہے)

آوارہ۔ آہاہاہا۔ کِل کِل۔ کلکلی کلکلی۔ کِل۔ کِل۔ کِل۔

پاربتی۔ یہ کون ہے مہاراج۔

شوجی۔ ایک آوارہ۔ آؤ ذرا اس کے پاس چلیں۔

پاربتی۔ نہیں مہاراج بہت دیکھ لیا اس سنسار کو اب واپس چلئے۔

آوارہ۔ آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔ آہاہاہا۔ کِل کِل۔ کلکلی کلکلی۔ کِل کِل۔ آؤ۔ آؤ۔ بیٹھو اِدھر آؤ۔ آگ تاپوگے۔ یہ دیکھو گے۔ یہ دیکھو ہم نے لکڑیاں اکٹھی کی ہیں۔ اب اس ڈھیر کو آگ لگائیں گے۔ آگ میں شعلے نکلیں گے۔ پھر ہم بیٹھ کر تاپیں گے۔ سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ آہاہا کِل کِل کِل

پاربتی۔ کیا کہتے ہو تم!

آوارہ۔ سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ سب انسان مرتے ہیں۔ اس لئے سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ سب آدمی پرماتما کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ سب آدمیوں کو جاڑا لگتا ہے۔ اس لئے سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ تمہیں بھی جاڑا لگ رہا ہے۔ ہاہاہا۔ سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ آؤ بیٹھو آگ تاپو۔ کِل کِل کِل۔

پاربتی (حیران ہوکر) مہاراج یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔

آوارہ۔ کیوں اداس ہوگئیں کیا تمہیں بھوک لگ رہی۔ اِدھر آؤ۔ اِدھر بیٹھو۔ یہ دیکھو لکڑیوں کا ڈھیر۔ اب اس میں ہم آگ لگائیں گے۔ آگ میں شعلے نکلیں گے۔ پھر ہم تم

تینوں مل کر ان شعلوں کو کھائیں گے۔ بھوک مٹانے کے لئے آگ کے شعلے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ ہاہاہا۔ کل کل کلکلی کلکلی۔ کل کل کل.....
اس سنسار میں بھوک بہت ہے۔ سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ اس سنسار کو آگ لگا دو۔ ان شعلوں سے سب انسانوں کی بھوک مٹ سکتی ہے۔ سب انسانوں کی۔ ہاہا ہاہا۔ تم بھوکی ہو۔ تم بھوکی ہو۔ یہ لو۔ یہ لو۔

(روٹی کا ایک ٹکڑا پاربتی کی طرف بڑھاتا ہے)

پاربتی۔ یہ کیا ہے۔ اُف اس میں سے تو بہت بُری بو آ رہی ہے۔

آوارہ۔ یہ لو۔ ہاہا ہاہا۔ کل کل کلکلی کلکلی۔ کل کل کل۔ یہ روٹی کا ٹکڑا ہے۔ اسے ایک کتے نے سونگھ کر چھوڑ دیا تھا۔ مگر ہے یہ ایک روٹی کا ٹکڑا۔ میں نے اسے اپنے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ لیکن تمہاری بھوک میری بھوک سے زیادہ ہے۔ ہاہاہا ستی ساوتری کو جانتی ہو۔ کل کل کلکلی۔ کل کل۔ کھالو۔ فوراً کھالو۔

شوجی۔ (گلوگیر آواز میں) یہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے کیا دیکھ رہی ہو پاربتی! اسے سویکار کرو۔ یہ ایک بدبودار روٹی کا ٹکڑا نہیں ہے۔ یہی وہ امرت ہے پاربتی جس کی خاطر ہم نے اور سب دیوتاؤں نے سمندر کا کونہ کونہ کھنگال ڈالا تھا۔ یہی وہ جیون کا آخری بھید ہے جسے ایک آوارہ سادھو اپنے کلیجے سے چمٹائے ہوئے ہے۔

(پاربتی آہستہ آہستہ روٹی کے ٹکڑے کی طرف ہاتھ بڑھاتی ہے)

(پردہ)

سرائے کے باہر

سرائے کے باہر

ڈرامے کے افراد

اندھا بھکاری	
ہنی	اندھے بھکاری کی ایک نوجوان لڑکی
بھکارن	اندھے بھکاری کی بیوی
جانی لنگڑا	ایک چالاک پرفن بھیک منگا
ایک آوارہ شاعر	
سرائے کا مالک	
بی بی	سرائے کی نوکرانی

چند شکاری اور اُن کی بیویاں

سرائے کے باہر

منظر۔ ایک پہاڑی قصبے کی سرائے کے دروازے پر، دروازے سے چند گز
کے فاصلے پر اندھا بھکاری اور اس کی بیوی آلاؤ پر بیٹھے آگ تاپ رہے ہیں
منی سرائے کے بڑے دروازے پر کھڑی سرائے کی نوکرانی سے باتیں کر رہی ہے۔

منی۔ بی بی کچھ کھانے کو دو گی، صبح سے بھوکی ہوں۔

بی بی۔ پرے ہٹ مردار، کیوں اندر گھسی چلی آتی ہے۔ جا کسی مشٹنڈے کی بغل
میں بیٹھ اور چین سے رہ، تیری جوانی کو آگ لگے۔

منی۔ بی بی۔ کیوں ناحق گالی دیتی ہو؟

بی بی۔ گالی، اری دو ٹکے کی بھکارن تجھے بھی لگتی ہے۔ لے ہے میری شرم کی
ماری لاجونتی۔ دن بھر دیدے مٹکاتی پھرتی ہے اور سرائے کے مسافروں کو تاکتی پھرتی
ہے اور اب رات کے وقت بڑی معصوم، بڑی شریف، بڑی وہ، اونہہ چڑیل!

منی۔ بی بی۔

بی بی۔ بی بی کی بچی، اری اگر میں تجھے گالی دیتی ہوں تو اس کے بدلے تجھے کھانا
بھی تو دیتی ہوں، تجھے اور تیرے بوڑھے بھکاری باپ کو اور تیری ماں چڑیل

کٹنی کو، دو گالیوں میں کیا یہ سودا مہنگا ہے۔ مجھے دیکھ اس سرائے میں صبح سے لے کر شام تک جھوٹے برتن مانجھتی ہوں۔ کنوئیں سے پانی نکالتی ہوں، مالکن اور مالک کی سو سو خوشامدیں کرتی ہوں۔ اور ـــــ اچھا دیکھ اس وقت مجھے نہ ستا۔ مسافر خانے کے اندر اس وقت بہت لوگ جمع ہیں۔ مجھے کیوں کی دیکھ بھال کرنی ہے۔ جب یہ لوگ کھانا کھا چکیں گے اس کھڑکی کی طرف آ جائیو۔ اور جو کچھ تیری قسمت میں ہو گا لے جائیو۔ اری دیکھ اب ان موٹے موٹے دیدوں میں آنسو نہ چھلکا۔ ہائے رام، ان فقیروں نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے۔ میں مالکن سے کہتی ہوں کہ ان بھک منگوں کو کم از کم سرائے کے باہر عین دروازے پر تو جمع ہونے نہ دیا کیجے۔

(سرائے کے دروازے بند کر دیتی ہے)

بھکارن۔ منّی!

منّی۔ آئی اماں۔

بھکارن۔ کیا ہوا منّی۔

(وقفہ)

اندھا بھکاری۔ منّی، بیٹا، بڑی بھوک لگی ہے۔

منّی۔ تو مجھے کھا لو۔ آ۔ بھوک لگی ہے۔ جب سنو بھوک لگی ہے۔ جانے یہ پیٹ ہے کہ

کیا بلا کبھی بھرتا ہی نہیں۔ اُدھر بی بی الگ گالیاں دیتی ہیں۔ اور اِدھر یہ میری جان کو کھائے جاتے ہیں۔ بھوک لگی ہے تو میں روٹی کہاں سے لاؤں بی بی کہہ گئی ہے کہ جب کھڑکی کھلے گی جب روٹی ملے گی۔

اندھا بھکاری۔ کھڑکی کب کھلے گی۔

منی۔ جب مسافر کھانا کھا چکیں گے۔

اندھا بھکاری۔ مسافر کب کھانا ختم کریں گے۔

منی۔ جب کھڑکی کھلے گی۔

اندھا بھکاری۔ جب کھڑکی کھلے گی..... کب کھڑکی کھلے گی! میں کچھ نہیں جانتا میں کچھ نہیں جانتا منی تو کیا کہہ رہی ہے...... جب سے میری آنکھوں میں روشنی نہیں رہی۔ مجھے وقت پر بھیک کی روٹی بھی کوئی نہیں لا دیتا۔ منی کی اماں کیا تمہارے پاس تھوڑی سی روٹی بھی نہیں ہے —— ہاں نہیں ہوگی —— میں اندھا ہوں —— بوڑھا ہوں —— اپنی گستاخ بیٹی کا محتاج ہوں۔

بھکارن۔ صبر کرو۔ اب تھوڑی دیر میں بی بی کھڑکی کھولے گی۔ پھر تمہیں پیٹ بھر کر کھانا ملے گا۔ آج سرائے میں بہت سے مسافر آئے ہیں۔ میں تو ہر روز دعا مانگتی رہتی ہوں کہ سرائے مسافروں سے بھری رہے۔ تاکہ اُن کی پلیٹوں سے

بہت سا جھوٹا کھانا ہمارے لئے بچ جایا کرے۔

منّی۔ لیکن امّاں بعض مسافر تو اتنے پیٹو ہوتے ہیں کہ پلیٹیں بالکل صاف کر دیتے ہیں۔ اور کھانا تو ذرا بھی نہیں بچتا۔ ایسے موقع پر اگر بی بی سچ مچ مہربان نہ ہو تو ——

بھکارن۔ بُری باتیں نہ مُنہ سے نکال وہ سب کا والی ہے..... توبہ، توبہ آج کتنی سردی ہے۔ یہ تیز برفیلی ہوا جسم کو چیرے جاتی ہے۔ منی آگ ذرا تیز کر دے۔

(الاؤ کی لکڑیاں اِدھر اُدھر کرتی ہے)

منّی۔ یہ چیڑھ کی لکڑیاں دھواں زیادہ دیتی ہیں۔ آگ کم۔

بھکارن۔ تو جنگل سے کاؤ کی لکڑیاں چُن لایا کر۔ میں نے تجھے کئی بار سمجھایا ہے

منّی۔ ماں کاؤ کا جنگل بہت گھنا ہے مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

بھکارن۔ باؤلی ہوئی ہے، ڈر کاہے کا۔

اندھا بھکاری۔ منّی۔ دیکھ ابھی کھڑکی کھلی کہ نہیں۔ یہ کون آ رہے ہیں۔

منّی۔ مسافر ہیں سرائے کے اندر جا رہے ہیں۔ اچھا میں جا کر کھڑکی کے پاس کھڑی ہوتی ہوں۔ ابّا امید ہے کہ اب کے کچھ نہ کچھ ضرور رہی ہو گا۔

(چلی جاتی ہے)

بھکارن۔ تم نے سُنا منی کو کاؤں کے جنگل میں لکڑیاں چننے سے ڈر لگتا ہے۔

اندھا بھکاری۔ ہاں منی جوان ہو گئی ہے۔

بھکارن۔ تم اس کا بیاہ کیوں نہیں کر دیتے۔

اندھا بھکاری۔ اس قصبے میں تو کوئی ایسا بھک منگا ہے نہیں۔ سنا ہے کہ شہروں کے بھک منگے بڑے امیر ہوتے ہیں۔ مجھے ایک دفعہ سرائے کا ایک مسافر بتا رہا تھا کہ اس نے ایک دفعہ اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک شہر میں —— مجھے اس شہر کا نام یاد نہیں رہا۔ بھلا سا نام تھا ایک بھک منگا رہتا تھا جب وہ مرا تو منی کی اماں ساٹھ ستر ہزار روپیہ چھوڑ کر مرا۔ ساٹھ ستر ہزار روپیہ کتنا ہوتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے۔

بھکارن۔ نہیں۔ پر میں سوچتی ہوں کہ میری منی کو بھی کوئی ایسا ہی بھک منگا مل جائے۔

اندھا بھکاری۔ تم نے تو میری بات نہیں مانی۔ وہ بنیا پانسو روپے دیتا تھا۔ اُسی کے پلّے باندھ دیتے۔ منی کی زندگی بھی سُدھر جاتی۔ اور ہم بھی۔

بھکارن۔ تم کیا کرتے اُن پانسو روپے سے۔

اندھا بھکاری۔ اُن پانسو روپے سے ... میں پھر ایک زمین کا قطعہ خرید لیتا۔

گائیں رکھتا بھیڑ بکریاں میرا ایک چھوٹا سا خوبصورت گھر ہوتا۔ کچی مٹی کا بنا ہوا۔ کھریا مٹی سے پُتا ہوا منی کی ماں ۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ بھکاریوں کی ٹولی میں داخل ہونے سے پہلے میں ایک کسان تھا۔

بھکارن ۔ مجھے معلوم ہے تم ایسی باتیں مجھے کئی بار سُنا چکے ہو۔

اندھا بھکاری ۔ تم ایک بوڑھے اندھے کی باتوں پر کب اعتبار کرو گی لیکن منی کی اماں میں نے بھی اچھے دن دیکھے ہیں جہاں میں رہتا تھا۔ وہاں چاروں طرف خوبصورت کھیت تھے کھیتوں سے پرے پہاڑ، ایک اُجلی اُجلی ندی دھان کے کھیتوں میں میٹھے میٹھے گیت گاتی ہوئی بہتی تھی، اس ندی کے ساتھ چلتے چلتے میں اپنی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کو رکھ میں لے جایا کرتا تھا جہاں لمبی لمبی دوب تھی۔ اور بسنتے کے پھول اور کھٹے اناروں کے جنگل اور ـــ

بھکارن ۔ اور پھر تمہارا باپ مر گیا اور تمہارے باپ کو گاؤں کے بنئے کا بہت سارا روپیہ قرض دینا تھا۔ اور بنیئے نے تمہاری زمین قرق کرالی، اور تم ہوتے ہوتے ایک بھک منگے بن گئے۔ اور پھر تم ہمارے ٹولے میں آملے میں یہ سب باتیں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم ہمیشہ سے ایک بھک منگے تھے۔ ہمیشہ رہو گے اور اک بھک منگے کی موت ہی مرو گے۔ صرف یہ بات سچ ہے۔ باقی سب جھوٹ ہے نہ تمہارا باپ کسان تھا۔ نہ میری ماں امیرزادی تھی۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں میری

ماں کون تھی۔ ایک گھتری سی چڑیل کی یاد ہے۔ جو میرے سہارے پیسے جو میں بازار سے لوگوں کے پیچھے بھاگ کر اکٹھے کیا کرتی تھی سب چھین لیا کرتی تھی۔ اور اکثر راتوں کو بھی بھوکا رکھا کرتی تھی۔ تا کہ میں کہیں موٹی نہ ہو جاؤں۔

(دو مسافر داخل ہوتے ہیں)

بھکارن۔ کون ہے؟

اندھا بھکاری۔ کون ہے؟

شاعر اور جانی لنگڑا۔ مسافر ہیں بابا، ذرا آگ تاپ لیں۔

اندھا بھکاری۔ مسافر ہو تو سرائے میں جاؤ، ہم فقیروں کے پاس کیا کام ہے؟

جانی لنگڑا۔ سرائے کے اندر جانے کی توفیق ہوتی تو تم سے بات ہی کیوں کرتے۔

اندھا بھکاری۔ تم کون ہو؟

جانی لنگڑا۔ میرا نام جانی لنگڑا ہے پہلے میں نور پور میں بھیک مانگتا تھا۔ پر وہاں پولیس والوں نے تنگ کر رکھا ہے۔ بیچارے بھکاریوں کی ہر روز پیشی، ہر روز بلاوا، یہ میری ٹانگ لنگڑی تھی۔ کچھ اس پر پرانے دو چار گلے سڑے ناسور بھی ہیں۔ مزے سے بیٹھے بٹھائے روٹی مل جاتی تھی۔ لیکن برا ہو ان پولیس والوں کا۔

اندھا بھکاری۔ اور تمہارے ساتھ یہ دوسرا ساتھی کون ہے؟

جانی لنگڑا۔ یہ اسی سے پوچھ لو۔

شاعر۔ میں ——میں ——میں شاعر ہوں۔

اندھا بھکاری۔ شاعر کیا ہوتا ہے بھئی بڑے بڑے بھک منگے دیکھے قسم قسم کے بھکاری لیکن یہ قسم آج ہی سننے میں آئی۔

جانی لنگڑا۔ ارے بابا یہ شاعر کبت بناتا ہے۔ کبت، اور گاؤں گاؤں سنا کر اپنا پیٹ پالتا ہے۔

اندھا بھکاری۔ آں ہاں، تو بھاٹ کہو نا، کہو کہ میں بھاٹ ہوں۔ شاعر! عجب نام ڈھونڈا ہے اس نے بھی۔

جانی لنگڑا۔ یہ راستہ میں مجھے مل گیا تھا۔ میں نے کہا سفر میں دو ہوں تو راستہ آسانی سے کٹ جاتا ہے۔ اسی لئے اسے ساتھ لیتا آیا۔ بابا تم تو میاں بڑے مزے میں ہو۔ یہ بڑھیا کون ہے؟

اندھا بھکاری۔ یہ میری بیوی ہے۔

(قدموں کی آواز)

اور یہ میری منی آرہی ہے۔ میری لڑکی بیٹی، یہ جانی لنگڑا ہے۔ یہ شاعر ہے، کبت بناتا ہے۔ کبت بناتا ہے، بی بی نے کھڑکی کھولی؟ ہاں، تو جلدی سے کھانا دے مجھے۔

منّی۔ لیکن بی بی کہتی ہے کہ ابھی کھانے کے بعد ملے گا۔ آج سرائے میں مسافروں کی بہت بھیڑ ہے۔

اندھا بھکاری۔ تو کچھ تھوڑا سا ہی اُس نے دے دیا ہوتا۔ میں تو بھوک سے مرا جا رہا ہوں۔

شاعر۔ یہ ایک مکّی کا بھٹا ہے۔ بھائی اسے بھون کر کھا لو۔

اندھا بھکاری۔ کدھر ہے، کدھر ہے، کہاں ہے، منّی بیٹا۔ ذرا اسے آگ پہ بھون ڈال۔ اُف کتنی سردی ہو رہی ہے آج، اس گرم گدڑی میں بھی جان نکلی جا رہی ہے... کون ہے؟ کسی امیر آدمی کی گاڑی آ کر رُکی ہے، منّی جاؤ ذرا بھاگ کر۔

جانی لنگڑا۔ میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ، شاید ایک دو چھدام مجھے بھی مل جائیں۔ منّی ذرا مجھے سہارا دینا۔ آہ!

(سرائے کے دروازے پر ایک گھوڑا گاڑی آ کر رُکتی ہے)

پہلا شکاری۔ اُف، آج تو یار تھک کر چور ہو گئے۔

پہلے شکاری کی بیوی۔ یہ تو کوئی بڑی ذلیل سی سرائے معلوم ہوتی ہے۔ ذرا مجھے سہارا دینا Thank you

دوسرے شکاری کی بیوی۔ ادر بھئی، ہمیں تو بہت بھوک لگی ہے۔ جان نکلی جا

رہی ہے۔ اور پھر یہ بلا کی سردی۔ شکر کریں گے جب کل گھر پہنچیں گے

دوسرا شکاری۔ شکار پر مردوں کے ساتھ آنا بھی تو کوئی ہنسی کھیل نہیں۔

دوسرے شکاری کی بیوی۔ شکار پر مردوں کے ساتھ آنا بھی تو کوئی ہنسی کھیل نہیں۔ دیکھ لی آج ہم نے بھی تمہاری دلیری۔

Oh how brave you are

My courageous Knight!

منّی۔ صاحب ایک پیسہ، میم صاحب کی جوڑی بنی رہے۔ ایک پیسہ مل جائے۔

جانی لنگڑا۔ غریب محتاج لنگڑے پر ترس کر جاؤ رے بابا۔

تیسرا شکاری۔ اوڈیم یہ کم بخت ہر جگہ موجود ہیں۔ اب کسے خیال تھا کہ اس out of the way سرے میں بھی یہ مخلوق مغز چاٹنے کے لئے موجود ہوگی

منّی۔ میم صاحبوں کی جوڑی سلامت، صاحب کا اقبال بلند ہو، میم صاحب جی آپ کے گھر ایک خوبصورت پیارا بچہ......

پہلے اور دوسرے شکاری کی بیویاں۔ آؤ۔ how indecent, hush, hush.

چلو جلدی اندر چلیں، ورنہ یہ بھک منگے تو ہماری جان کھا جائیں گے

(سرائے کے اندر داخل ہوتی ہیں)

پہلا شکاری۔ ہاں آپ چلئے ہم ذرا سامان اتروا لیں ــــ بھئی وسکی کدھر ہے؟

تیسرا شکاری ۔ carier میں، فکر نہ کرو، اسے میں کیسے بھول سکتا ہوں۔

منی ۔ کچھ مل جائے حضور۔

دوسرا شکاری ۔ بیرہ ۔ انہیں کچھ دینا۔

(بیرہ منی کو ایک دونی دیتا ہے)

سرائے کا مالک ۔ آئیے، آئیے، حضور، اندر تشریف لے آئیے۔

پہلا شکاری ۔ اوہ، تم اس سرائے کا مالک ہے۔

جانی لنگڑا ۔ حضور کا اقبال بلند ہو، اس غریب محتاج لنگڑے کو بھی کچھ مل جائے

پہلا شکاری ۔ اوہ ۔۔۔ بہرہ ۔ جلدی سے اس بلڈی (BAGGER) کو کچھ دے کر ٹالو۔ اور تم اس سرائے کا مالک ہے اور دروازے پر بھک منگوں کو بٹھائے رکھتا ہے۔

دوسرا شکاری ۔ مسافروں کو دونوں طرح سے لوٹتا ہے، اندر بھی اور باہر بھی

سرائے کا مالک ۔ حضور اندر تشریف لائیے، سرائے کی باہر کی زمین کا میں مالک نہیں ہوں ۔ اندر تشریف لائیے حضور۔

منی ۔ صاحب جی ۔ آپ بھی۔

تیسرا شکاری ۔ (I say PAL) یہ بھکارن لڑکی تو مجھے خاصی اچھی معلوم ہوتی ہے ۔ اہی، تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں۔۔۔۔

دوسرا شکاری۔ ہش۔ بڑے بے ہودہ ہو تم۔ بہرہ سب سامان ٹھیک ہے؟

بہرا۔ جی حضور۔

پہلا شکاری۔ چلو بھئی اندر چلیں۔ یہاں کھڑے تو لہو بھی جم جائے گا۔

سرائے کا مالک۔ اندر تشریف لے چلیئے حضور۔

منّی۔ صاحب جی۔ آپ بھی ایک دونی ــــــ

(صاحب لوگ سرائے کے دروازے کے اندر چلے جاتے ہیں)

بہرا۔ بھاگو، بھاگو، یہاں سے کس وقت سے کھڑی چلا رہی ہو مسٹنڈی کہیں کی۔

(FADE OUT)

اندھا بھکاری۔ کچھ ملا۔

جانی لنگڑا۔ ایک اکنی۔

منّی۔ اور ایک دونی مجھے بھی۔

جانی لنگڑا۔ جوان عورتوں کو لوگ یوں بھی زیادہ خیرات دے دیتے ہیں۔ اور تمہاری لڑکی تو ــــــ

اندھا بھکاری۔ ہاں ایک بنیا اس کے پانسو دیتا تھا۔ لیکن منّی کی ماں نے ــ

جانی لنگڑا۔ منّی کی ماں نے عقل مندی سے کام لیا۔ اگر تم بھی عقل مندی سے کام لو تو یہ لڑکی تمہاری ساری عمر کے لئے روٹیاں مہیا کر سکتی ہے۔ کیوں شاعر

میاں تمہارا کیا خیال ہے۔

(وقفہ)

جانی لنگڑا۔ شاعر بھائی۔

شاعر۔ ایں کیا کہا معاف کرنا۔ میں نے سنا نہیں۔

جانی لنگڑا۔ ہی ہی ہی۔ اچھا ہوا تم نے نہیں سنا اب یہ بتاؤ تم کیا کوئی نیا گیت بنا رہے تھے۔

شاعر۔ ہاں، ایک نیا گیت ہی تھا۔

جانی لنگڑا۔ ذرا سناؤ اور اس سارنگی کو کاندھے پر سے تو اتارو۔

گانا

میں ہوں ایک بھکاری میرا جیون ہے کشکول
پھیلی پھیلی دھرتی پر میں پھرتا ہوں آوارہ
نہیں کسی کا پریمی ہوں نہ کوئی میرا پیارا
دیکھتا ہوں جب زخمی آہیں پانیوں کی دھارا
سونے لگنے لگتا ہے من ہو کر ڈانواں ڈول
میں ہوں ایک بھکاری میرا جیون ہے کشکول
میری طرح یہ گیت ہیں میرے ننگے بھوک کے مارے

میری طرح یہ گیت ہیں میرے آوارہ بیچارے
دن کو پھرتے ہیں یہ در در رات کو گنتے تارے
دنیا والے اُن کی خاطر پریت کا مندر کھول
میں ہوں ایک بھکاری میرا جیون ہے کشکول
(وشوا متر عادل)

شاعر۔ تم کیوں رو رہے ہو بابا۔

اندھا بھکاری۔ مجھے اپنے سُکھ کے دن یاد آ گئے۔ وہ دھان کے پیارے پیارے کھیت۔ وہ بہتی ندی کا نرمل شفاف پانی، وہ رکھ جہاں میں اپنا ریوڑ چرایا کرتا تھا۔ میری ماں جو مجھے لوریاں دیا کرتی تھی۔ میرا باپ جو مجھے کاندھے پر بٹھا کر قصبے کے بازار میں سیر کرانے کے لئے لایا کرتا تھا ——

بھکارن۔ جھوٹ ہے، یہ بالکل جھوٹ ہے۔ میں نے اسی قصبے کے بازار میں اسے بھیک مانگتے ہوئے دیکھا ہے۔ کسان کا بیٹا، اُونہہ، رہنا سرائے کے باہر اور خواب دیکھنے محلوں کے۔

شاعر۔ ہاں، ہاں تم سچ کہتی ہو۔ ہم سرائے کے باہر رہنے والی مخلوق ہیں کُتے اور بھکاری، جو مسافروں کا بچا کُھچا کھانا کھا کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ اور اکثر اوقات تو پیٹ بھی نہیں بھر سکتے۔ ہمیں ایسے سنہرے خواب نہیں دیکھنے

چاہئیں، کبھی نہیں دیکھنے چاہئیں۔

جانی لنگڑا۔ میاں ان باتوں کے سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ اپنے نے تو بس یہ سمجھ رکھا ہے کہ جیسو بھکاری اور مرد بھکاری۔ ایمان کی بات ہے کہ یہ پیشہ کوئی اتنا برا نہیں بیٹھے بٹھائے روٹی مل جاتی ہے۔ لوگ دو چار گالیاں ہی دے دیتے ہیں نا۔ لیکن سچ پوچھو تو گالیاں کس پیشے میں نہیں ہم نے بڑے بڑے لوگوں کو دیکھا ہے کہ گالیاں کھاتے ہیں۔ اور چوں نہیں کرتے یار اپنے نے تو بس یہی پیشہ پسند کیا ہے۔

(وقفہ)

منّی۔ شاعر! کیا تمہارے گیت سبھی ایسے ہوتے ہیں؟

شاعر۔ کیا مطلب ہے تمہارا منّی؟

منّی۔ تمہارا گیت بڑا برا تھا۔ اس نے بابا کو رلا دیا اور مجھے بھی۔

شاعر۔ تم بھی۔

منّی۔ ہاں میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

شاعر۔ منّی میرے پاس آنسوؤں کا ایک خزانہ ہے اسے میں نے دھرتی کے مختلف کونوں سے چن چن کر اکٹھا کیا ہے۔ ان آنسوؤں میں انسان کی کہانی ہے۔ کیا تم نے کبھی ان گول گول مدور آنسوؤں کے اندر جھانک کر دیکھا ہے ان میں

میلوں تک سُرخ سُرخ انگاروں کے میدان ہیں، اور لاکھوں شعلے اپنی خوفناک زبانیں پھیلائے ہوئے آسمان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان میں زخمیوں کی چیخ پکار ہے اور کمسن بچّوں اور بیوہ عورتوں کے شیون، ان آنسوؤں کے اُفق پر ہمیشہ کالی گھٹا چھائی رہتی ہے۔ جس میں کبھی کبھی ایک ایسی خوفناک بجلی کا کوندا لہراتا ہے کہ بڑے بڑے جیالوں کے دل دہل جاتے ہیں۔

منّی۔ ہائے تم نے مجھے ڈرا دیا ہے۔

شاعر۔ لیکن ان آنسوؤں کے پیچھے کبھی کبھی سات رنگوں والی دھنک کا نرم و نازک جھولا نظر آجایا کرتا ہے۔ بس ایک ہی لمحے کے لئے۔ پھر وہ اسی کالی گھٹا میں غائب ہو جاتا ہے۔ اور لاکھوں شعلوں کی سُرخ پتلی زبانیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں۔

منّی۔ میں آج تک کبھی کسی جھولے پر نہیں بیٹھی۔ شاعر کیا میں اس سات رنگوں والی دھنک پر بیٹھ سکتی ہوں۔ بس صرف ایک لمحے کے لئے۔

شاعر۔ تم بڑی بھولی ہو منّی۔ ابھی تک کسی انسان نے اس دھنک کو نہیں چھوا ہے۔ چھونا تو کیا بہت سوں نے تو اُسے دیکھا بھی نہیں ہے۔ میں نے بھی تو کبھی کبھی اسے دیکھا ہے۔ یہ دھنک ہر ایک آدمی کے آنسوؤں میں نہیں جھلملاتی۔ ہاں جب میں گیت گاتا ہوں اور جب میرے گیت سُنکر کسی معصوم

بچے کی آنکھوں میں آنسو مچلنے لگتے ہیں ۔ اس وقت میں اس دھنک کو ایک لمحے کے لئے دیکھ لیتا ہوں ۔ اگر وہ دھنک ہر ایک آنسو میں دکھائی دے تو یہ آگ کے جہنمی شعلے ہمیشہ کے لئے بجھ جائیں ۔

منّی ۔ تو پھر کیا ہو شاعر ۔ تم بڑے ہی عجیب آدمی ہو ۔

شاعر ۔ پھر کیا ہو گا منّی پھر وہ ہو گا جو تمہاری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا جس کھڑکی کے کھلنے کی تمنا تم ہر دم کرتی رہتی ہو ۔ وہ کھڑکی ہمیشہ کے لئے کھل جائے گی ۔

منّی ۔ تو کیا تم اسی واسطے دھرتی کے مختلف کونوں سے آنسو جمع کرتے رہتے ہو ؟

شاعر ۔ ہاں ۔

منّی ۔ ابا ۔ ابا ۔ یہ مسافر کہتا ہے کہ میں دھرتی کے مختلف کونوں سے آنسو جمع کرتا رہتا ہوں تاکہ ہماری ہر سرائے والی کھڑکی ہمیشہ کے لئے کھلی رہے ۔

(لنگڑا جانی ، منّی کی اماں اور ابا اور منّی خوب ہنستے ہیں)

جانی لنگڑا ۔ یہ گیت بنانے والے سبھی پاگل ہوتے ہیں ۔

(ہوا کا تیز جھونکا ۔ دور جنگل میں گیدڑوں کے بولنے کی آواز)

اُف یہ ہوا کتنی سرد اور زہریلی ہے ۔ بے چارے انسانوں پر تو آفت ہے ہی ، یہ جنگل میں گیدڑ تک سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے چلا رہے ہیں ۔

اندھا ۔ کیا تم نے وہ کہانی نہیں سُنی ؟ ایک تھا راجہ ، اُس نے جب سردی کے

دلوں میں گیدڑوں کو یوں چلاتے ہوئے سُنا تو اپنے وزیر سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے۔ وزیر نے بتایا کہ مہاراج ان گیدڑوں کو سردی لگتی ہے۔ مہاراج نے حکم دیا کہ اسی وقت ان گیدڑوں میں کمبل اور لحاف مفت تقسیم کئے جائیں۔

(شاعر ہنستا ہے)

اندھا۔ (خفا ہو کر) کیوں ہنستے ہو شاعر؟

شاعر۔ میں پوچھتا ہوں کیا اس راجہ کے شہر میں کوئی بھکاری نہ تھا۔

(ہنستا ہے)

اندھا۔ بھکاری کیوں نہ ہوں گے۔ یہ شاعر کیسی باتیں کرتا ہے۔ بھلا جہاں راجہ ہوگا، وہاں بھکاری بھی ہوں گے لیکن اس بات کا میری کہانی سے کیا تعلق؟ میں کہانی سُنا رہا ہوں اور یہ بیچ میں سے ٹوک دیتا ہے۔ خواہ مخواہ! یہ کیسا آدمی ہے۔ تمہارا دوست جانی؟

جانی لنگڑا۔ معاف کرو بھئی اسے۔ تم جانتے ہی ہو یہ کبت بنانے والے اسی طرح بے سر و پا باتیں کیا کرتے ہیں۔

ہنی کی ماں۔ گیدڑوں والی کہانی سے مجھے بھی ایک بات یاد آ گئی۔ ایک دفعہ میں سڑک پر بیٹھی بھیک مانگ رہی تھی۔ اور کہہ رہی تھی۔ کوئی روٹی۔ کوئی پیسہ، بھکارن بھوکی ہے۔ کوئی روٹی۔ کوئی پیسہ، بھکارن بھوکی ہے، اتنے

میں میرے قریب سے ایک خوب صورت عورت گزری۔ اس کا لباس ریشم کا تھا۔ اور سر سے پاؤں تک زیور میں لدی پھندی تھی۔ اس کے ساتھ ایک نہایت پیاری ننھی لڑکی تھی۔ میں نے انہیں دیکھ کر اور بھی مسکین آواز میں کہا۔ کوئی روٹی، کوئی پیسہ، بھکارن بھوکی ہے۔ اس پر وہ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ اور اس نے اپنے بٹوے سے ایک پیسہ میری ہتھیلی پر رکھا۔ ننھی لڑکی بول اٹھی، کہنے لگی، ماں یہ بھوکی ہے۔ ماں نے کہا ہاں بیٹا، یہ بھکارن ہے، غریب ہے، بھوکی ہے۔ ننھی لڑکی بولی۔ "ماں یہ بھوکی ہے تو بسکٹ کیوں نہیں کھاتی"۔ بسکٹ؟ سنا تم نے منی کے ابا۔ بسکٹ (کھو کھلے انداز میں ہنستی ہے) اس کی ماں نے اسے ایک زور کا طمانچہ لگایا اور پھر اپنی روتی ہوئی لڑکی کو لے کر آگے نکل گئی۔

(کھو کھلے انداز میں ہنستی ہے)

اندھا۔ ابھی میری کہانی تو پوری ہوئی نہیں کہ تم لوگوں نے بیچ میں سے۔۔۔۔

بی بی۔ (دور سے آواز دیتی ہے) منی، منی، منی بیٹیا۔

اندھا۔ کھڑکی کھل گئی ہے۔ منی کھڑکی کھل گئی ہے۔ بی بی تجھے بلا رہی ہے۔ بھاگ کر جا۔

بی بی۔ منی منی۔

جانی لنگڑا۔ بی بی کھڑکی پر نہیں ہے۔ وہ تو سرائے کے دروازے پر کھڑی

آوازیں لگا رہی ہے۔

بھکارن۔ منّی، جا بھاگ کر۔

منّی۔ آئی بی بی جی۔

(دوڑتی ہوئی جاتی ہے)

منّی۔ بی بی۔ اب کھانا دوگی۔

بی بی۔ ہاں، ہاں، چڑیل، تجھے کھانا بھی دوں گی۔ اور بہت سی اچھی اچھی چیزیں بھی دوں گی۔ چل سرائے کے اندر چل۔ سرائے کے مالک تجھے بلا رہے ہیں۔

منّی۔ اہا ہا (تالی بجا کر) کہاں ہیں سرائے کے مالک۔

(سرائے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے)

بھکارن۔ منّی سرائے کے اندر چلی گئی!

جانی لنگڑا۔ بی بی۔ منّی کو لے کر سرائے کے اندر چلی گئی۔ سرائے کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔

اندھا بھکاری۔ سرائے کے اندر چلی گئی، کیا کہہ رہے ہو جانی۔ میری منّی تو آج تک کبھی سرائے کے اندر نہ گئی تھی۔ . . . . . . منّی کیسے سرائے کے اندر چلی گئی۔ سرائے کے اندر . . . . . . منّی . . . . . . منّی . . . . منّی۔

شاعر۔ آخر ایک نہ ایک دن اسے سرائے کے اندر جانا ہی تھا۔

اندھا بھکاری نہیں۔ میری بیٹی۔

شاعر۔ اور آج سرائے کی دہلیز نے اس کی زندگی کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ سرائے کے اندر اور سرائے کے باہر۔ اور اب منی کی لاش اسی سرائے کی دہلیز کے محور پر آوارہ ہو کر بھٹکا کرے گی۔ ذرا آگ تیز کر دو جانی۔ میرے گیت اس برفیلی رات میں سردی سے ٹھٹھرے جا رہے ہیں۔ وہ ان آوارہ گیدڑوں کی طرح ہیں جنہیں سردیوں میں کوئی کمبل نہیں دیتا۔ وہ ان اندھے بھکاریوں کی طرح ہیں جن کی بوسیدہ اور پرانی گدڑی میں ہوا برف کے کانٹے بن کر چبھتی ہے۔ میرے گیت بھوکے، ننگے اور پیاسے ہیں۔ انہیں کوئی بسکٹ نہیں دیتا۔ میرے گیت کائنات کے گلے سڑے ناسور ہیں۔ ان رستے زخموں پر آج تک کسی نے پھاہا نہیں رکھا۔

(سارنگی بجانے لگتا ہے)

جانی لنگڑا۔ ہی ہی ہی۔ دماغ چل گیا ہے سردی سے بے چارے کا۔

گیت

میری طرح یہ گیت ہیں میرے ننگے بھوک کے مارے
میری طرح یہ گیت ہیں میرے آوارہ بیچارے
دن کو پھرتے ہیں یہ در در رات کو گنتے تارے

دُنیا والے اُن کی خاطر پریت کا مندر کھول
میں ہوں ایک بھکاری میرا جیون ہے کشکول

* * *

ان کی خاطر پریت کا مندر کھول او دنیا والے
اس میں پھر اک سندر سی آشا کی جوت جگا لے
تن کی دولت کو ٹھکرا دے من کی دولت پا لے
من کی دولت ڈھونڈنے والے سن لے میرے بول
میں ہوں ایک بھکاری میرا جیون ہے کشکول

(اندھا بھکاری اپنی گدڑی سمیٹنے لگتا ہے)

بھکارن۔ کہاں جا رہے ہو، منّی کے ابّا۔

اندھا۔ میں اپنی منّی کو واپس بلانے جا رہا ہوں میں سرائے کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ شور و غل مچاؤں گا، چیخوں گا، چلّاؤں گا، گالیاں دوں گا، سمجھا کیا ہے۔ اُنہوں نے، میں بھی کسان تھا، میرا بھی گھر تھا، بیلوں کی جوڑی تھی۔ خوب صورت کھیت تھے...... میری منّی۔

جانی لنگڑا۔ چلو، چلو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں، آؤ شاعر میاں۔

(آہستہ آہستہ جاتے ہیں)

جانی لنگڑا۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ۔

(کھٹ کھٹ)

جانی لنگڑا۔ کوئی نہیں بولتا۔

(کھٹ کھٹ)

جانی لنگڑا۔ سرائے میں خاموشی ہے۔

(کھٹ کھٹ)

جانی لنگڑا۔ سب سو رہے ہیں۔

(کھٹ کھٹ)

شاعر۔ (طنز سے) منی بھی سو رہی ہو گی؟

اندھا۔ (چیخ کر) دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھول دو۔ سرائے کے بدمعاش کتو۔ دروازہ کھول دو۔ میری منی کو میرے حوالے کر دو۔ دروازہ کھول دو۔ میری بیٹی کو میرے حوالے کر دو میں منی کا باپ ہوں۔ دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھول دو (کھٹ کھٹ۔ کھٹ) آہ ظالمو شیطان کے جہنمی بیٹو، میری معصوم منی کو مجھے واپس دے دو۔ اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے، میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ تم نے مجھ سے میرا گھر چھینا، میرے سنہرے کھیت چھینے، میرے خوبصورت بیلوں کی جوڑی، میری آنکھیں بھی تم نے مجھ سے چھین لیں، اب میں اندھا ہوں۔ تمہارے

دروازے کا بھکاری۔ آہ! یہ دروازہ کھول (کھٹ کھٹ) کھول دو، ظالمو ایک اندھے بھکاری پر رحم کرو، اُس کے بڑھاپے کا سہارا، اس کی اندھی زندگی کی جوت اُسے واپس دے دو۔ ہاں میری منّی مجھے واپس کر دو۔ میں اب تم سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گا، چپ چاپ یہاں سے چلا جاؤں گا، اور جنگل کے گیدڑوں میں جا کر بسیرا کر لوں گا، چپ چاپ چلا جاؤں گا، چپ چاپ۔

(کھٹ کھٹ ہلکے ہلکے)

(سسکیاں لیتا ہے)

شاعر۔ (دکھ بھرے لہجے میں) میں جانتا ہوں یہ سرائے کبھی نہ بولے گی، سرائے کا ہر سانس جامد ہوتا ہے۔ اس کا سینہ پتھر کا ہوتا ہے۔ یہ پتھر جو ہر روز تمہارے ننگے پاؤں سے ٹکراتے ہیں۔ اور ان میں زخم پیدا کر دیتے ہیں، یہ پتھر جن سے اس سرائے کی دیواریں بنی ہیں۔ صرف دیواریں ہی نہیں ان کا سینہ بھی پتھر ہی کا ہے اس سینے میں دھڑکن پیدا نہیں ہوتی۔ اور جہاں دھڑکن نہ ہو۔ وہاں آواز بھی نہیں ہوتی۔ اسی لئے تو سرائے خاموش ہے لیکن گھبراؤ نہیں۔ اس بے آواز سرائے میں جس طاقت نے منّی کو نگل لیا ہے۔ وہ وقت آنے پر خود بخود اُسے اگل کر باہر پھینک دے گی۔ آؤ اپنے الاؤ پر چلیں۔

جانی لنگڑا۔ ہاں، ہاں، الاؤ کی طرف چلیں۔ بڑھیا بے چاری اکیلی رو رہی ہو گی۔

(آہستہ آہستہ الاؤ کی طرف مڑ جاتے ہیں (FADE OUT)

(قصبے کا کلاک ایک بجاتا ہے۔ اندھیرا چاروں طرف گھرا ہے)

شاعر۔ ایک (وقفہ)

(قصبے کا کلاک دو بجاتا ہے)

شاعر۔ دو۔ (وقفہ)

(کلاک تین بجاتا ہے)

شاعر۔ تین۔

(خراٹوں کی مدھم آوازیں)

شاعر۔ سو گئے، سب سو گئے، اندھا، لنگڑا، بھکارن، سب سو گئے۔ الاؤ کے تپتے ہوئے سرخ شعلے بھی جاگ جاگ کر سو گئے۔ اب کالی، برفیلی رات ہے۔ اور ہواؤں کے تیز فراٹے، لیکن یہ تیز فراٹے سرائے کے منجمد سینے کو نہیں چیر سکتے جس طوفان کا تو منتظر ہے، وہ یہاں کبھی نہیں آئے گا۔ اس لنگڑے کو اپنے ناسوروں سے محبت ہے۔ اس بھکاری کو اپنی بھوک سے، اور تو ——— تو اپنی اس بے مصرف سارنگی کے بوجھ کو کاندھے پر اٹھائے اس بجھتے ہوئے الاؤ کے کنارے کیوں بیٹھا ہے۔ اٹھ چل، پگڈنڈی کی پرانی راہ تجھے بلا رہی ہے۔ تو راہی ہے۔ عاشق نہیں۔ تو مسافر ہے، محبت کرنے والا نہیں۔

(قدموں کی آہٹ)

شاعر۔ کون ہے!

منی۔ میں ہوں منی۔ .... من۔ ...... نی ...... من نی سرائے کی ملکہ
ہے۔ اس نے کہا تھا۔

شاعر۔ کس نے کہا تھا؟ یہ تیرے قدم کیوں لڑکھڑا رہے ہیں! یہ تیرے ——
تیرے منہ سے کیسی بو آ رہی ہے۔

منی۔ بُو آ رہی ہے ...... ہی ہی بُو کہ خوشبو، تم شاعر ہو کر بو اور خوشبو
میں بھی تمیز نہیں کر سکتے، اہاہا۔

جانی لنگڑا۔ (جاگ کر) کون!

اندھا۔ یہ منی کی آواز تھی۔

بھکارن (منی میری بیٹیا، تو اتنا عرصہ کہاں رہی؟

منی۔ س ...... س سرائے کے اندر، اور اب سرائے کے باہر ہوں۔ آج
میں بہت خوش ہوں۔ آج میں نے انگوروں کا رس پیا ہے۔ ریشم کے کپڑے
پہنے ہیں۔ لذیذ اور میٹھے کھانے کھائے ہیں۔ تمہارے لئے بھی لائی ہوں۔
لو —— لو —— اس رومال میں سب کچھ بندھا ہے۔ اور یہ ——
یہ —— یہ بھی لو۔

بھکارن۔ یہ کیا؟

جانی۔ نوٹ؟ دس، بیس، تیس، چالیس، واہ میرے یار، یہ لونڈیا تو بڑی ہشیار ہے۔

بھکاری۔ چالیس؟ وہ بنیا تو پان سو دینا تھا۔

اندھا۔ (چلّا کر) منّی ...... منّی ...... ذرا میرے قریب آ، میری بیٹی۔

منّی۔ کیا بات ہے ابّا؟

اندھا۔ اور قریب آ، میرے قریب آجا، میری بیٹی۔

(اندھا منّی کا گلا دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ منّی چیختی ہے۔ شاعر اور جانی ان دونوں کو الگ الگ کر دیتے ہیں)

منّی۔ کیا بات ہے ابّا .... کیا بات ہے .... تم تو مجھے (لمبی لمبی سانسیں لے کر) جان ہی سے مارے ڈالتے تھے ہیں نے کیا کوئی بُری بات کی ہے؟ میں تمہارے لئے کھانا لائی ہوں۔ اپنے لئے یہ خوبصورت کپڑے، دیکھو شاعر یہ میرے بدن پر کیسے سجتے ہیں۔ اچھے لگتے ہیں نا۔ وہ بہت ہی اچھا آدمی ہے۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ کہتا تھا جب میں نے تمہیں سرائے کے باہر دونی دی تھی اسی لمحے سے میں تم سے محبت کرنے لگا تھا۔ اُس کی باتیں بہت ہی رسیلی تھیں۔ اُس نے مجھے بہت بہت پیار کیا۔ شاعر وہ کہتا ہے میں تم سے شادی کر لوں گا۔ وہ کل اپنے گھر جائے گا۔ پھر وہاں سے وہ سرائے کے مالک کو خط لکھے گا۔ اور پھر

میرے لئے ایک خوبصورت چار گھوڑوں والی گاڑی آئے گی۔ اور میں اس میں بیٹھ کر اپنے خاوند کے گھر جاؤں گی۔ اماں تمہیں یاد ہے نا ایک بار ایک بھکاری نے تم سے میرا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا کہ یہ لڑکی بڑی ہو کر شہزادی بنے گی۔ بھکارن سے شہزادی اماں وہ بہت ہی امیر ہے۔ میلوں تک اس کے کھیت پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے پاس بیلوں کی جوڑیاں ان گنت ہیں۔ اس کا گھر سرخ اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ اور اس کے چاروں طرف ایک وسیع باغ ہے۔ ہاں بڑا ہی اچھا آدمی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں اپنے ابا اور اماں کو بھی ساتھ لے چلوں گی۔ وہ کہنے لگا۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ میں ان دونوں کے لئے ایک الگ مکان بنوا دوں گا۔ اور تمہارے ابا کے لئے کھیت اور بیلوں کی جوڑی بھی خرید دوں گا۔ تم میرے ساتھ چلو گے نا ابا ــــ اماں تم بھی، اب ہم بھکاری نہیں رہیں گے۔ در بدر بھیک نہیں مانگیں گے۔ بی بی کی گالیاں نہیں سنیں گے۔ سرائے کے باہر سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے الاؤ کی مدھم آگ نہیں تاپیں گے۔ ہاں جانی کو بھی ساتھ لیتے چلیں گے میں اس سے کہہ دوں گی، وہ بڑا اچھا آدمی ہے۔ شاعر تم بھی ہمارے ساتھ چلنا تمہارے میٹھے گیت سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا، ٹھیک ہے نا ابا۔ (وقفہ) اماں (وقفہ) جانی (وقفہ) تم سب چپ کیوں ہو۔ شاعر، کیا بات ہے؟ تم بھی نہیں بولتے؟ تم بھی نہیں بولتے۔۔۔۔

(مدھم آواز میں سسکیاں لیتے ہوئے) تم کبھی نہیں بولتے!......

(سسکیاں لیتی ہے)

شاعر - رومت، منی! آج تم واقعی اس کالی اندھیاری رات کی شہزادی ہو - اس سرائے کی ملکہ ہو - تمہارا لباس ریشم کا ہے - تمہارے بالوں میں گلاب کے پھول ٹنکے ہوئے ہیں - تمہارے لبوں پر تمہارے محبوب کے بوسے چمک رہے ہیں - آج کی رات تم نے سات رنگوں والی قوس قزح دیکھی ہے - آج کی رات وہ تمہارا خاوند ہے - آج کی رات وہ تمہیں اپنے چار گھوڑوں والی گاڑی میں بٹھا کر اپنی بیاہتا بنا کر اپنے گھر لے گیا ہے - آج کی رات اس نے تمہیں اپنے سونے اور جواہرات کے بنے ہوئے محل کی سیر کرائی ہے - تمہاری کمر میں ہاتھ ڈالے اپنے وسیع باغات میں پھرایا ہے - رومت منی! ان خوشی کے آنسوؤں کو سنبھال کر رکھ - ان آنسوؤں کو تو دوبارہ نہ حاصل کر سکے گی - آج کی رات تو نے کیا کھویا ہے اور کیا پایا ہے؟ یہ شاید تو اس وقت نہیں جان سکتی - کل صبح جب وہ مسافر اپنی چار گھوڑوں والی گاڑی میں سوار ہو کر اپنے سونے کے محل میں واپس چلا جائے گا - اس وقت تجھے معلوم ہو گا کہ تو اس ظالم سرائے کی پتھریلی دہلیز سے بیاہی گئی ہے کہ جس کے آستانے کی جبہ سائی کرتے کرتے تیرا باپ اندھا ہو چکا ہے - رومت منی، رونے کے لئے ساری عمر پڑی ہے کل تجھے معلوم ہو گا کہ وہ قوس و قزح غائب ہو چکی ہے - وہ سونے کا محل راکھ کا ڈھیر ہو

گیا ہے۔ وہ وسیع باغات اور کھیت بنجر او رویران ہو گئے ہیں۔ ان میں تپتی ہوئی ریت کے بگولے اڑتے ہیں۔ اور غول بیابانی چیخیں مارتے ہیں، اور تو اپنے چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی ہاتھ پھیلائے بھیک مانگتی پھرتی ہے۔ کوئی روٹی، کوئی پیسہ، بھکارن ہوں ......"

منّی۔ نہیں، نہیں، شاعر یہ کیسے خوفناک الفاظ ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟

شاعر۔ تیری بدنصیبی یہی ہے کہ تُو نے ابدی مسرت حُسن کے چند لازوال لمحے اپنی پاک وصاف روح کی پہنائیوں سے نکال کر ایک ایسے آدمی کو بخش دئیے جو ان کی قدر و قیمت نہیں جانتا۔ وہ لمحات جن کا جواب چاند اور سورج کی دنیاؤں کے پاس بھی نہیں —— لیکن انسان ابھی انسان نہیں ہے۔ وہ ہر اس چیز کو گزند پہنچاتا ہے۔ جو خوبصورت ہے، مقدس ہے اور معصوم ہے۔ اور ہر اس چیز کا پجاری ہے جو اس پر ظلم کرتی ہے۔ اس کی رُوح کُچل کر اس کے نازک احساسات کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔

جانی لنگڑا۔ سچ سچ، بہک گیا ہے بے چارہ، دماغ چل نکلا ہے اس کا، چاند اور سورج، اور شعلے اور قوس وقزح، بھلا ان باتوں کا چالیس روپوں سے کیا تعلق؟ جا بھائی جا، بہت مغز چاٹ لیا تو نے، اب اگر یوں سیدھی طرح نہیں

جائے گا۔ تو جانی لنگڑا اب تجھے اپنی لنگڑی ٹانگ کے کرتب دکھائے گا۔ یہ میری لنگڑی ٹانگ ایسے موقعوں پر خوب چلتی ہے۔ بڑا آیا ہے منّی کو بہکانے والا ــــــ چلا جا یہاں سے

(شاعر آہستہ آہستہ پگ ڈنڈی کی طرف قدم بڑھاتا ہے)

(وقفہ)

منّی۔ شاعر ٹھہرو

مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔

شاعر۔ نہیں میں اب ٹھہر نہیں سکتا۔ میں تمہارے آنسو اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں منّی۔ محبت کرنا یا زخمی زندگیوں پر پھاہا رکھنا میرا کام نہیں ہیں تو صرف دھرتی کے آنسو جمع کرتا ہوں۔

(چلا جاتا ہے)

(خاموشی۔ پھر جنگل میں گیدڑوں کے بولنے کی آواز)

(پردہ)

میاں محمد حنیف پرنٹر پبلشر نے دین محمدی پریس لاہور میں چھپوا کر
اُردو اکیڈمی لوہاری دروازہ لاہور سے شائع کیا